

محمود احمد عباسی کے نظریات

کا تحقیقی جائزہ

مؤلف

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی

سید عبدالشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ

بانی جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

بسی و اہتمام

میاں رضوان نفیس

ناشر

شہانہ فیضانِ کلامی

۲۶/۱۱ سعدی پارک، منگھٹ، لاہور

۰۳۲۱ ۹۳۳۸۳۳۲

محمود عباسی کے نظریات تحقیقی کا مبانی جائزہ

مؤلفہ
فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی
سید عبدالشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ
بانی جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

بسعی و اہتمام

میان رضوان نفیس

شاہ نفیس اکادمی

سعدی پارک، بزرگ لاہور

0300-4183709

0321-9448442

سلسلہ اشاعت نمبر 16

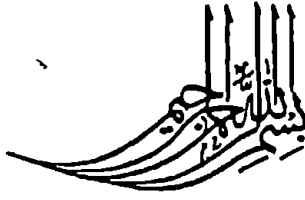
نام کتاب: محمود احمد عباسی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ
مصنف: حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور رزوی رحمۃ اللہ علیہ
بسی و اہتمام: میاں رضوان نقیس
طبع اول: شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ / جولائی ۲۰۱۳ء
قیمت:
ناشر: شاہ نقیس اکادمی، ۱۱/۲۷ سہری پارک مرگ

لاہور ۰۳۰۰-۳۱۸۳۷۰۹

۰۳۲۱-۹۴۴۸۴۴۲

☆ نئے کے چے ☆

- ۱۔ نقیس منزل، ۳/۷۷ اکرم پارک لاہور
- ۲۔ مکتبہ قادیانیہ، ۱/۱ الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور
- ۳۔ مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور
- ۴۔ مکتبہ زکریا، الکریم مارکیٹ۔ اردو بازار، لاہور
- ۵۔ مکتبہ سلطان عالمگیر، ۵/لوئر مال اردو بازار لاہور
- ۶۔ الفیصل، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور
- ۷۔ ادازہ اسلامیات، ۱۹۰/انارکلی، لاہور
- ۸۔ مکتبہ فاروقیہ، ہزارہ روڈ، حسن ابدال
- ۹۔ مکتبہ رشیدیہ، اقبال مارکیٹ، کمیٹی چوک راولپنڈی
- ۱۰۔ مکتبہ شہید اسلام، لال مسجد، اسلام آباد
- ۱۱۔ دفتر ختم نبوت، پتھ فورس، ایبٹ آباد روڈ، مانسہرہ
- ۱۲۔ مکتبہ رشیدیہ، نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی



انتساب

اکابر علماء اہل السنّت والجماعت دیوبند کے نام جو رسوخ فی العلم، اخلاص وللہیت، بے نفسی، دنیا سے بے رغبتی میں اپنی مثال آپ ہیں اور شریعت وسنت کو ہر خال میں مقدم رکھنا جن کا طرہ امتیاز ہے۔ اس سلسلۃ الذہب کے تمام اکابر بعد میں آنے والے اصاغر کے لیے روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتے ہیں، ہماری سعادت مندی اسی میں ہے کہ اس مینارہ نور سے روشنی حاصل کر کے اپنے راستے کا تعین کر لیں تاکہ خیر و عافیت کے ساتھ اپنی منزل مراد کو جا پہنچیں۔

خاکہائے شاہ نقیس الحسینی قدس سرہ
احقر رضوان نقیس



فہرست مضامین

صفحہ	مضامین	شمار
۹	حرفِ رضوان	۱
۲۰	(حضرت مولانا مفتی عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ)	۲
۲۱	(حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی دامت برکاتہم)	۳
۳۱	(حضرت مولانا محمد احمد صاحب تھانوی)	۴
۳۳	مختصر حالات	۵
۴۰	محمود احمد عباسی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ	۶
۴۰	جدید تحقیق و ریسرچ کے مذموم مقاصد	۷
۴۱	فتنہِ سبائیت	۸
۴۲	کتاب خلافت و ملوکیت	۹
۴۳	خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بے بنیاد الزامات	۱۰
۴۳	حکیم الامت حضرت تھانوی کی رائے گرامی	۱۱
۴۳	کتاب خلافت و ملوکیت پر علماء کی تنقید	۱۲
۴۴	صحابہ کرامؓ پر بے اعتمادی کا نتیجہ	۱۳
۴۵	خلافت و ملوکیت کا تاثر	۱۴
۴۵	ایک الزام کی حقیقت	۱۵

۴۷	شیعت کی ترجمانی	۱۶
۴۷	مودودی صاحب کا منہج تحقیق	۱۷
۴۸	اہل سنت کا اصول	۱۸
۴۹	کتاب ”خلافت معاویہؓ و یزید“	۱۹
۵۰	مسک اہل سنت	۲۰
۵۰	حضرت علیؓ کی خلافت اور عباسی صاحب کا موقف	۲۱
۵۲	مسک اہل سنت سے انحراف	۲۲
۵۲	عباسی صاحب کی مغالطہ انگیزی	۲۳
۵۳	ایک تائیدی رائے پر تبصرہ	۲۴
۵۴	حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کے انعقاد کے خلاف پروپیگنڈا	۲۵
۵۹	دوسرا پروپیگنڈا	۲۶
۶۱	حضرت حسینؓ اور یزید کے بارہ میں عباسی صاحب کا رویہ	۲۷
۶۳	اس ریسرچ کا عام اصول	۲۸
۶۳	محض احتمالات اور ظنیات سے استدلال	۲۹
۶۳	مثال نمبر (۱)	۳۰
۶۳	مثال نمبر (۲)	۳۱
۶۵	مثال نمبر (۳)	۳۲
۶۶	مناقب یزید میں محویت	۳۳
۶۷	محمود احمد عباسی صاحب کے پیش کردہ حوالوں کے آئینہ میں یزید کی صورت	۳۴
۶۹	موسیقی شریعت کی نظر میں	۳۵
۶۹	منصف مزاجی	۳۶



۷۱	یزید کے بارہ میں اکابر امت کی آراء	۳۷
۷۴	عباسی صاحب کا نظریہ اور ان کے حوالوں کا جائزہ	۳۸
۸۰	عباسی صاحب کے مغالطات	۳۹
۸۲	حضرت حسینؑ کے بارہ میں عباسی صاحب کے خیالات	۴۰
۸۴	اہل بیت کی محبت عین ایمان ہے	۴۱
۸۵	حضرت حسینؑ کی صحابیت سے انکار	۴۲
۸۶	حضرت حسینؑ کی شہادت سے انکار	۴۳
۸۷	حضرت حسنؑ کی وفات	۴۴
۸۹	عباسی صاحب کا احادیث کے ساتھ ناروا سلوک	۴۵
۹۰	مؤلف کی ایک دوسری کتاب	۴۶
۹۰	۸ لاکھ ۹۳ ہزار ۲۳۱ حدیثوں کو وضعی جعلی اور مہمل قرار دینا	۴۷
۹۳	عباسی صاحب کا بخاری شریف کے ساتھ سلوک	۴۸
۹۴	عباسی صاحب کا بخاری شریف کی حدیث پر وضعی ہونے کا حکم لگانا	۴۹
۹۴	عباسی صاحب کا بخاری شریف کی حدیث سے استہزاء اور تمسخر	۵۰
۹۵	ترمذی شریف کے متعلق	۵۱
۹۷	عباسی صاحب کا التبیات کے بعد درود شریف کا اور ہر درود میں آل محمدؑ کے ہونے کا انکار کرنا	۵۲
۹۸	امام مہدی اور نزول عیسیٰ اور قتل دجال کا انکار	۵۳
۹۹	درود شریف میں آل محمدؑ کے انکار کی دلیل کا جواب	۵۴
۱۰۳	اصل موضوع کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ کی طرف رجوع	۵۵
۱۰۳	نزاع کی حقیقت	۵۶

۵۷	دولایت عہدی کی کاروائی سے حضرت امیر معاویہؓ پر الزام دینا درست نہیں	۱۰۶
۵۸	عباسی صاحب کا ایک نکتہ	۱۰۷
۵۹	حضرت حسینؓ کا موقف	۱۰۷
۶۰	یزید کے خلاف اقدام کا جواز	۱۰۸
۶۱	مصالحت کی تین تجویزیں	۱۱۰
۶۲	سید الشہداء	۱۱۱
۶۳	فائدہ	۱۱۲
۶۴	لفظ امام	۱۱۲
۶۵	حضرت علیؓ کی خلافت کے انعقاد پر شبہ کا جواب	۱۱۵
۶۶	حضرت حسینؓ کو اس اقدام سے روکنے کی اصل وجہ	۱۱۵
۶۷	حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا موقف	۱۱۶
۶۸	فسق یزید اور موقف صحابہ کرامؓ	۱۱۷
۶۹	دونوں گروہ مجتہد تھے	۱۱۹
۷۰	اس کتاب کی ایک اور اہم تاریخی بحث	۱۲۱
۷۱	حضرت حسینؓ کے سفر کا آغاز	۱۲۱
۷۲	حسینی قافلہ کے غیر معمولی حالات کی نفی کرنا	۱۲۲
۷۳	حسینی قافلہ کا بار بار دار قافلہ پر قیاس کرنا	۱۲۲
۷۴	ایک بڑا خلا	۱۲۳
۷۵	عباسی صاحب کا دوسرا دعویٰ	۱۲۳
۷۶	پہلا ثبوت	۱۲۴
۷۷	دوسرا ثبوت	۱۲۵

۱۲۶	تحقیق مزید در بارہ لعنت بر یزید	۷۸
۱۲۹	حدیث ”مغفور لہم“	۷۹
۱۳۴	حرف آخر	۸۰
۱۳۶	ضمیمہ (ترتیب: میاں رضوان نفیس)	۸۱
۱۳۷	فاطمہ بنت رسول کی توہین ”بخاری“ اور روایات صحاح کو جعلی قرار دینا	۸۲
۱۳۹	عباسی صاحب ہدیۃ کیا تھے؟ (فیصلہ کن اشارات)	۸۳
۱۴۶	عباسی صاحب حضرت عثمان غنیؓ کو خلیفہ ثالث بھی نہیں مانتے تھے	۸۴
۱۴۷	یزید کے متعلق مسلک اعتدال	۸۵
۱۵۱	بھری مجلس میں ”عباسی جنتری“ کو چیلنج	۸۶



حرفِ رضوان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ

ع رکھو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف

کہ آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

محمود احمد عباسی کی کتاب ”خلافت معاویہؓ و یزیدؓ“ کے شائع ہونے سے ملک میں ایک تازہ فتنہ ”ناصیت“ کا پیدا ہوا جس سے ہندوپاک کی سرزمین یکسر پاک تھی اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ملک کا اچھا خاصہ سنجیدہ پڑھا لکھا طبقہ بھی اس فتنہ کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکا اور بہت سے حلقوں میں اس کو ایک تاریخی ریسرچ کا درجہ حاصل ہو گیا حالانکہ یہ کتاب سرتاسر فریب، خداع، تلبیس اور کذب و افتراء کا مرقع ہے۔

محمود احمد عباسی اس برصغیر میں فتنہ ناصیت اور یزیدیت کا سربراہ ایک ناخدا ترس اور دین بیزار آدمی تھا، جس زمانہ میں وہ چینی سفارت خانہ میں ملازم تھا اس نے کتاب ”خلافت معاویہؓ و یزیدؓ“ لکھ کر اس فتنہ کی داغ بیل ڈالی تھی۔ حدیث پاک میں آتا ہے :

اَلْفِتْنَةُ نَائِمَةٌ لَّعَنَ اللّٰهُ مَنْ اَيَقظَهَا

فتنہ خوابیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو جو اس کو بیدار کرے۔

(رواہ الرافعی فی امالیہ، ملاحظہ ہو ”کشف الخفاء و مزیل الالباس“ ج: ۲، ص: ۱۰۸) (نعمانی)

اور پھر اس فتنہ ناصیت اور یزیدیت نے اتنا سرائٹھایا کہ اس بات کو شیخ المشائخ

استاذ الاساتذہ، محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ اس درد سے لکھتے ہیں:

”کتنے تاریخی بدیہیات کو کج فہمی نے مسخ کر کے رکھ دیا، یہ دنیا ہے اور دنیا کے مزاج میں داخل ہے کہ ہر دور میں کج فہم اور کج رو اور کج بحث موجود ہوتے ہیں۔ زبان بند کرنا تو اللہ تعالیٰ ہی قدرت میں ہے، ملاحظہ اور زنادقہ کی زبان کب بند ہو سکی کیا اس دور میں امام حسین رحمہ اللہ کی شہادت کو افسانہ نہیں بنایا گیا۔ اور کہا گیا کہ واقعہ ہے ہی نہیں، اور کیا امام حسین رحمہ اللہ کو باغی، واجب القتل اور یزید کو امیر المومنین اور خلیفہ برحق نہیں ثابت کیا گیا۔“
(تسکین الصدور)

ہمارے پیر و مرشد قطب الاقطاب حضرت سید نفیس الحسنی شاہ صاحب رحمہ اللہ محمود احمد عباسی اور اس کی کتاب کے شیطانی طلسم کو یوں آشکارا فرماتے ہیں:

”فتنہ رافضیت و سبائیت اور خارجیت و ناصیت کی تاریخ تو بہت پرانی ہے لیکن پاکستان میں ”یزیدیت“ ایک ”فتنہ تازہ“ ہے۔ یزیدی فرقے کا بانی محمود احمد عباسی ہے۔ اس نے اپنی تالیف ”خلافت معاویہ و یزید“ سے اس کا آغاز کیا۔ دیکھتے دیکھتے اس کے گمراہ کن عقائد پھیلتے چلے گئے اور آج یہ حال ہے کہ جدید دانشوروں کی ایک خاصی تعداد اس کے تصنیفی دام تزویر کا شکار ہو چکی ہے اور حیف صدحیف کہ بعض عالمان دین بھی اس ضال و مضل کی تحقیقی خرافات پڑھ پڑھ کر جادۂ اہل سنت سے ہٹ گئے ہیں۔“

جب حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کو اپنے تلمیذ ارشد حضرت مولانا عبد الجلیل صاحب (جو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر راپوری قدس سرہ کے خلیفہ و مجاز

اور بھتیجے ہیں) کے خطوط سے معلوم ہوا کہ حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہ کی مجلس میں محمود احمد عباسی کی کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ پڑھی جا رہی ہے تو فوراً حضرت نے خطوط کے ذریعہ اس کا مجلس میں پڑھے جانے کو موقوف کرادیا۔ وہ دونوں خط ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

مکرم و محترم مولوی عبد الجلیل صاحب بد فیوضکم

بعد سلام مسنون! اس وقت جمعہ کے دن ساڑھے گیارہ بجے میر صاحب سے سرسری ملاقات ہوئی کہ ہجوم تھا۔ رسالہ پہنچ گیا مگر دستی پرچہ باوجود میرے سوال کے بھی کوئی نہیں دیا۔ اس کے بعد ڈاک آئی اور اس میں کارڈ پرسوں بدھ کا لکھا ہوا ملا، اگرچہ اس جمعہ اور ہجوم کی وجہ سے وقت تنگ ہے مگر چونکہ اس میں حضرت کے نظام الاوقات میں یہ لکھا کہ ایک کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ سنائی جا رہی ہے اگر یہ وہی عباسی والی ہے تو ہرگز اس قابل نہیں کہ مجمع میں سنائی جائے، جو حدیث سے واقف نہیں، تاریخ پر عبور نہیں رکھتے ان کو اس کا دیکھنا ہرگز جائز نہیں، سخت گمراہی کا اندیشہ ہے۔ اس بد نصیب نے دیدہ دانستہ عبارتیں مسخ کی ہیں، مثال کے طور پر لکھتا ہے کہ:

حافظ ابن حجرؒ کی ”تہذیب التہذیب“ سے سخی کا قول نقل کیا ہے کہ

حافظ نے ان سے یزید کی توثیق نقل کی ہے

اب کوئی شخص اصل کتاب کو نکال کر دیکھے تو معلوم ہو کہ حافظ نے اس میں لکھا ہے کہ:

سخی جو ایک ثقہ آدمی ہیں، انہوں نے فلاں سے جو ثقہ ہے، یہ نقل کیا

میرے سامنے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے کسی نے یزید کو امیر

المومنین کہہ دیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسے کوڑے لگوائے کہ تو

یزید کو امیر المومنین کہتا ہے؟

اس سے اندازہ کرے کہ اس جاہل نے اس کو یہ لکھا ہے کہ حافظ نے سخی سے

یزید کی توثیق نقل کی ہے۔ تعجب ہے کہ مولانا محمد صاحب کے وہاں ہوتے ہوئے بھی یہ

کتاب حضرت کی مجلس میں پڑھی جاسکتی ہے۔“

مولانا عبد الجلیل صاحب مدظلہ نے مکتوب بالا کے جواب میں عریضہ لکھ کر واضح فرمایا کہ کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ مجلس عام میں نہیں سنی گئی بلکہ صرف چند مخصوص خدام کی موجودگی میں سنی گئی ہے۔

اس پر دوبارہ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے اپنے والا نامہ میں تحریر فرمایا:
کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ کے متعلق تم نے لکھا ہے کہ خواص کے مجمع میں پڑھی جاتی ہے لیکن جن خواص کا نام آپ نے لکھا ہے وہ بھی تاریخ و حدیث کے زیادہ ماہر نہیں ہیں اور اس کتاب میں بددیانتی سے کام لیا گیا ہے، کہ ”لا تقربوا الصلوٰۃ“ سے نماز کے پڑھنے کی قرآن پاک سے ممانعت کے مشابہ ہے۔ فقط، والسلام زکریا

حضرت مولانا سید انور حسین نقیس رقم صاحب مدظلہ (اجل خلیفہ مجاز حضرت رائے پوری قدس سرہ) لکھتے ہیں کہ:

کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ کے مندرجات سے حضرت اقدس رائے پوریؒ کو جو محبت صحابہ و اہل بیت عظام ﷺ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ کیسے اتفاق ہو سکتا تھا؟ یہ خواندگی تو محض معلومات کے لیے تھی۔ حضرت اقدس نے اپنے مخصوص انداز میں ایک مختصر اور بلیغ جملے سے اس کتاب کی تردید فرمادی۔ فرمایا:

”ہمیں تو اہل بیت کرام ﷺ سے بھی محبت ہے“

انہی دنوں یہ بھی فرمایا کہ:

”میں تو ان سیدوں کا غلام ہوں، لیکن شیعوں کا نہیں“

کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ دوبارہ کبھی حضرت والا کی مجلس میں دیکھی

اور سنی نہ گئی۔ حالانکہ پسندیدہ کتابیں مجلس مبارک میں بار بار پڑھی جاتی تھیں۔ علماء اہل سنت دیوبند نے برملا اس کتاب کی تردید کی اور اس کے مصنف کی فتنہ انگیزی سے عامۃ المسلمین کو آگاہ کیا۔

(سیدنا علی وسیدنا حسین رضی اللہ عنہما ص۔ ۳۱۶)

مایہ ناز مؤرخ و محقق حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوری اپنی لاجواب تصنیف ”سیدنا علی وسیدنا حسین رضی اللہ عنہما“ میں محمود احمد عباسی کے دجل کا پردہ یوں چاک فرماتے ہیں:

کتاب ”خلافت مجاہدین و یزید“ صرف ایک چونکا دینے والی کتاب ہی نہیں تھی بلکہ اس نے بہت سے عوام و خواص کو اسلاف کے اس مسلک حق سے ہٹانے میں مدد کی جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے تلاحقات کے بارے میں دین و ایمان کی روشنی میں مسلم ہے شروع میں ذمہ دار عالموں اور اداروں نے اس کتاب کی طرف توجہ نہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا زہر خوب پھیلا۔ راقم الحروف نے روزنامہ ”انقلاب بمبئی“ میں ۷، نومبر لغایہ ۱۷، ۱۹۵۹ء (۴ جمادی الاولیٰ لغایہ ۱۶، جمادی الثانیہ ۱۳۷۹ھ) ۳۵، قسطوں میں اس کی اندرونی خرابیوں کو اجاگر کر کے صحیح باتیں بیان کرنے کی کوشش کی اور ان ہی کتابوں تک دائرہ بحث و تبصرہ کو محدود رکھا جن سے اس کے مؤلف نے قطع و برید اور خیانت کر کے اپنا ذہنی مطلب نکال کر اسے تحقیق اور ریسرچ بنانا چاہا تھا، اب اس کو حک و اضافہ کے ساتھ کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔

اس کتاب پر لکھنے کا شدید تقاضہ اس وقت ہوا جب کہ حضرت الاستاذ مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیت علماء ہند نے ایک مختصر مگر جامع تبصرہ میں اس کتاب کا پول کھول کر رکھ دیا، یہ ہماری کوشش گویا اسی متن کی

شرح ہے۔ (اگر کسی صاحب ذوق کے پاس حضرت مولانا محمد منیاں صاحبؒ کے اس تبصرہ کی کوئی کاپی موجود ہو تو اُس کا ایک عکس ہمیں بھی مہیا کر دیا جائے تاکہ اس سے بھی افادہ عام ہو سکے۔ ادارہ)

مسلک دیوبند کی آبرو، محقق العصر، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ محمود احمد عباسی اور اس کے برپا کردہ فتنہ ناصیت کے متعلق یوں رقم فرما ہیں:

”نواصب“ ناصبیہ ”اہل نصب“ تانخ میں ان لوگوں کا لقب ہیں جنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی آل و اصحاب کے خلاف بغض و عداوت کا علم بلند کر رکھا تھا۔ چنانچہ علامہ زحشریؒ ”اساس البلاغہ“ میں لکھتے ہیں: ناصبت الفلان کے معنی آتے ہیں میں نے اس سے عداوت کھڑی کی، چنانچہ جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عداوت رکھتے ہیں ان کو اسی بنا پر ”نواصب“ ناصبیہ ”اہل نصب“ کہتے ہیں۔ جس طرح روافض کا مذہب حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے تبری و بیزاری اور ان کو طرح طرح کے مطاعن سے مطعون کرنا ہے بعینہ یہی طریقہ نواصب کا خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے۔

(حادثہ کر بلا کا پس منظر: ص ۱۲۷)

اور برصغیر ہند و پاک تو ان کے وجود نامسعود سے شروع ہی سے پاک چلا آتا تھا، تا آنکہ حال میں محمود احمد عباسی امر و ہوی نے ”خلافت معاویہ و یزید“ لکھ کر اس فتنہ کو نئے سرے سے ہوا دی اور اس کے مرجانے کے بعد کمیونسٹوں اور منکرین حدیث نے موقع سے فائدہ اٹھا کر عباسی کے متبعین کی پیٹھ ٹھونکی اور ان کو ”ناصیت“ کے مشن کو فروغ دینے پر لگا دیا، چنانچہ اب مختلف ناموں سے انجمنیں قائم ہو گئی ہیں جن کا کام ہی اہل

سنت کو راہِ اعتدال سے ہٹانا ہے۔ محمود احمد عباسی صاحب نے یہ کتاب لکھ کر اہل سنت میں ناصبیت کا تازہ فتنہ کھڑا کر دیا ہے۔ اب بہت سے لوگ ہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اور یزید کے مقابلہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خاطی و غلط کار سمجھتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب سے سوائے ضرر کے فائدہ کوئی مرتب نہ ہوا۔ روافض تو اپنی جگہ اور سخت ہو گئے لیکن اہل سنت کے اعتدال میں فرق آ گیا، بہت سے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت میں شک کرنے لگے۔ آج تک کسی ایک رافضی کے متعلق بھی یہ نہیں بتلایا جاسکتا کہ وہ عباسی صاحب کی کتاب پڑھ کر تائب ہو گیا ہو، لیکن اس کے برخلاف اس کتاب کے مطالعہ کرنے والوں میں ایک اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی نکلی جو اس جھوٹ کے پلندہ کو صحیح سمجھ کر حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما طرف سے اپنے دلوں کو صاف نہ رکھ سکے۔ اس کتاب نے سادہ لوح عوام نہیں اچھے خاصے پڑھے لکھے طبقہ کو متاثر کیا ہے جن میں عربی مدارس کے بھی بہت سے فارغ التحصیل شامل ہیں، جن لوگوں کی دسترس موضوع کتاب کے اصل مآخذ تک نہیں وہ اس کو تحقیق اور ریسرچ کا ایک نادر شاہکار سمجھتے ہیں اور یہ سب کچھ نتیجہ ہے اس بات کا کہ اب مسلمان من حیث القوم علوم اسلامیہ سے نابلد ہو گئے ہیں، لہذا جو کوئی شخص بھی اپنے کسی غلط نظریے کو ذرائعِ انداز سے بنا کر پیش کر دیتا ہے یہ اس کے ہو جاتے ہیں۔

سوچنے کی بات ہے جو شخص عربی، فارسی کی معمولی عبارتوں کے صحیح ترجمے نہ کر سکے، کتابوں کے غلط حوالے دے، مصنفین کی عبارتوں کو اپنے مفید

مطلب بنانے کے لئے غلط معنی پہنائے اور ان میں قطع و برید سے کام لے، ایسے شخص کا پیش کردہ کوئی نظریہ کس درجہ قابل قبول ہو سکتا ہے؟
(ناصیت تحقیق کے بھیس میں: جدید ایڈیشن)

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی دامت برکاتہم العالیہ اپنے والدِ گرامی قدس سرہ حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی مایہ ناز کتاب ”شہیدِ کربلاؑ اور یزید“ پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں درودِ دل کا اظہار فرماتے ہیں:

یہ کتاب ”شہیدِ کربلاؑ اور یزید“ ”جماعت دارالعلوم دیوبند“ کے متفقہ مسلک حق کی ترجمان ہے۔ محمود عباسی صاحب کی رسوائے زمانہ کتاب ”خلافتِ معاویہؓ و یزید“ مسلک اہل سنت والجماعت کے نقیب ”دارالعلوم دیوبند“ کے نقطہ فکر کے لحاظ سے ایک انتہائی گمراہ کن اور بہر لحاظ غلط کتاب ہے۔ بزرگان دارالعلوم دیوبند بصیرت و تحقیق کی روشنی میں حضرت سیدنا حسینؑ کے موقف کو برحق اور یزید یوں کے موقف کو نفسانیت پر مبنی سمجھتے ہیں۔ ”جماعت دارالعلوم دیوبند“ کے اس کتاب سے تحریر و تقریر اکھلی پیزاری کا اعلان کرنے کے باوجود بھی جو ناپاک ضمیر لوگ محض اپنی خود غرضی اور نام آوری کے لیے ”خلافتِ معاویہ و یزید“ جیسی بیہودہ اور لچر کتاب کی تصنیف یا تالیف یا نقطہ نظر سے بزرگان دارالعلوم دیوبند کے متفق ہونے کا سوقیانہ اور جاہلانہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں وہ لائقِ صد ہزار ملامت افتراء پرداز ہیں، پیش نظر کتاب ”شہیدِ کربلاؑ اور یزید“ ترجمانِ اہل حق حضرت حکیم الاسلام کے حق نگار قلم سے ”خلافتِ معاویہ و یزید“ کی تردید اور موقفِ امام حسینؑ کی تائید میں علمی، فکری، تحقیقی اور مسلکی لحاظ سے حرفِ آخر کی حیثیت سے پیش کی

جارہی ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ (ش: ۲۰۰۰ء) مسلمانوں کو اس فتنہ ناصبیت و

یزیدیت کی ملمع سازی اور اس کے وبال سے یوں آگاہ اور خبردار فرماتے ہیں :

”ماضی قریب میں اس جہالت آب خودرائی کی ایک مثال محمود احمد عباسی

کی کتاب ”خلافت معاویہؓ و یزیدؓ“ اور ”تحقیق مزید بر خلافت یزیدؓ“ تھی،

جو مودودی صاحب کی تشیع آمیز کتاب ”خلافت و ملوکیت“ کے رد عمل کے

طور پر لکھی گئی، اور جس میں اسلاف کی تحقیقات کو غلط قرار دیتے ہوئے

حضرت معاویہؓ کی بمقابلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے، اور یزید کی

بمقابلہ حضرت حسینؓ کے برتری ثابت کرنے کی ناروا کوشش کی

گئی۔ یہ تشیع کے مقابلہ میں عباسی کی ناصبی تحریک تھی جس نے بعد میں

بہت سے داعی پیدا کر لیے، ان میں سے اکثر ملحد، بد دین اور منکر حدیث

ہیں، جن کا اصل حدف اکابر اُمت کا استہزاء اور احادیث نبویہ کی تضحیک

ہے، امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ، سبطین شہیدینؓ اور

اکابر و اعظم اہل بیت (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے حق میں سو قیانہ دل

آزاری ان کا محبوب مشغلہ ہے، جو مسخ قلوب اور سلب ایمان کی علامت

ہے۔“ (گمراہ کن عقائد و نظریات اور صراطِ مستقیم ص: ۲۶۷-۲۶۸)

اکابر اہل السنۃ والجماعت دیوبند نے جس طرح محمود احمد عباسی کے گمراہ کن اور

باطل نظریات کا رد اور اُس سے لاتعلقی کا اظہار کیا ہے اس کی تفصیل کے لیے کئی دفتر درکار

ہیں اس میں سے نمونہ کی چند مندرجہ بالا عبارات پیش قارئین ہیں۔ ایسی زہر ناک کتاب کو

بعض جہال، مفاد پرست اور ناقابت اندیش جن کے دل دماغ میں ناصبیت و یزیدیت کے

کالے پچھو مسلسل ڈنگ مارتے رہتے ہیں اور جن کے سینے صحابہؓ و اہل بیتؓ کے بغض و عناد

کے ناسور سے بھرے پڑے ہیں ایسے ہی محروم قسمت اور بد بخت لوگ اس کتاب کو اپنی حرز جاں بنائے ہوئے ہیں۔ اور اسکو تحقیق کا معیار قرار دیتے ہیں، اور اس کے مقابلے میں اپنے اکابر پر زبان درازی اور ان پر عدم اعتماد کرتے ہیں جس طرح خود گمراہ ہو چکے ہیں اب سیدھے سادھے مسلمانوں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں، اللہ پاک ان کو ہدایت نصیب فرمائے اور سارے مسلمانوں کو ان کے شر اور شرارتوں سے محفوظ فرمائے۔ خواجہ شیرازی اس بات کو یوں کہتے ہیں :

ترا ز کنگرہ عرش می زنند صغیر
ندانمت کہ دریس دامگہ چہ افادست
(تجھے عرش کی بلندیوں سے آوازیں دی جا رہی ہیں مجھے معلوم نہیں تو
اس جال (گمراہی) میں کیوں پھنس کر رہ گیا ہے۔)

مقام حیرت کہ ہمیں اپنی صفوں میں گھسنا ہوا نا صبیحت اور یزیدیت کا گھناؤنا فتنہ کیوں نظر نہیں آتا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس فتنہ کو بھی پہچانیں، اور جہاں ہم رافضیت کا تعاقب کرتے ہیں وہیں نا صبیحت اور یزیدیت کی بیخ کنی کے لیے بھی کوشاں ہو جائے، کیونکہ چھپا ہوا دشمن ظاہری دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے اور یہ نا صبی اور یزیدی لوگ تو دیوبندیت کے علمبردار بن کے مسلک دیوبند کی جڑیں کاٹ رہے ہیں ان کے کمرے خود بھی بچنا اور دوسروں کو بھی بچانا آج کے دور کا اہم فریضہ ہے۔ یزید اور اس کے احوان و انصار جو کہ دشمن صحابہ و اہل بیت ہیں ان کے کردار سے آگاہی کے لئے ہمیں اپنے اکابر کی تحریرات اور تحقیقات کا مطالعہ اور ان پر اعتماد کرنا چاہیے، نہ کہ دین اور اکابر سے بیزار بد باطن اور کور باطن لوگوں کی جھوٹی اور ابلہ فریبی سے آلودہ تحقیقات سے متاثر ہونا چاہیے۔

محمود احمد عباسی کے دجل و فریب سے بچنے اس گمراہی کے جال پر ایک اور کاری ضرب فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ کی کتاب ہے جس کی پہلی مرتبہ

اشاعت کا شرف بھی اللہ پاک کی توفیق سے ”شاہ نفیس اکادمی“ کو حاصل ہو رہا ہے اس کی توجہ دلانے، اجازت مرحمت فرمانے اور اس کتاب پر مقدمہ لکھ کر ہماری حوصلہ افزائی فرمانے پر ہم حضرت مفتی عبدالقدوس ترمذی دامت برکاتہم کے دل و جان سے مشکور ہیں۔ کتاب کے آخر میں ضمیمہ کے عنوان سے محمود احمد عباسی کے کردار اور افکار پر مشتمل چند تحریروں کا بھی اضافہ کیا گیا ہے تاکہ اس فتنہ پرداز آدمی کا اصل کردار، اسلام کے خلاف اس کی سازشاندہ نیت اور اصل حقیقت لوگوں پر آشکارا ہو جائے اور لوگ اس مکروہ الفطرت اور ابن سبأ کے حقیقی جانشین کے تصنیفی دام تروریہ کا شکار ہونے سے بچ جائیں۔ اللہ پاک سے دست بدعا ہیں کہ ہماری دوسری مطبوعات کی طرح اس کو بھی عقائد کی اصلاح اور دینی کا ذریعہ بنائے، اور یہ تمام کاوشیں ہمارے پیرو مرشد حضرت سید نفیس الحسنی شاہ صاحب قدس سرہ کی صحبت، تربیت اور توجہات عالیہ کے ثمرات و نواز ہیں اللہ پاک انہیں اپنی شایان شان انوار و برکات سے مالا مال فرمائے آمین

ہم اس کتاب کی اشاعت میں تعاون کے سلسلہ میں حضرت قاری شرافت اللہ پانی پتی، حضرت مولانا عبدالحفیظ ظفر، حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب ثانی، صاحبزادہ سید زید الحسنی شاہ، محمد عرفان شجاع، مولانا محمد عابد، مفتی سید علی رضا جعفری، مفتی شعیب احمد، مفتی عبدالرحمن نذر، رانا جاوید، رانا پرویز (ریحان اختر)، رانا نعیم، رانا بابا، چودھری منصور صادق، محسن خواجہ، میاں سعید، میاں نعیم صاحبان اور ”حلقہ احباب نفیس“ کے تمام کرم فرماؤں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور اللہ پاک سے دعا کرتے ہیں کہ ہماری اس عاجزانہ کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، ہم سب کو دارین کی کامیابی اور آخرت میں حضور خاتم النبیین ﷺ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے۔ (آمین یا رب العالمین)

خاکپائے شاہ نفیس الحسنی رحمہ اللہ

احقر رضوان نفیس

۱۵ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ



تائید

حضرت مولانا علامہ مفتی عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

محمود احمد عباسی امروہی نے جب دفاع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آڑ میں خلیفہ راشد سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ پر بے جا اعتراضات کیے، تو حضرات علماء اہل السنۃ نے بروقت ان کے باطل نظریات کا تعاقب کیا، تحریر و تقریر کے ذریعہ ان کے نام نہاد دلائل کے جوابات دیے اور حضرات اہل بیت کرام کا دفاع کیا، احقر کے والد ماجد نے بھی اس خارجی فتنہ کے رد میں ”محمود احمد عباسی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ“ کے نام سے کتاب تحریر فرمائی۔ احقر کو خوب یاد ہے کہ ساہی وال کے علاقہ میں ایک جلسہ میں تقریر کے بعد حضرت علامہ تونسوی صاحب ”جامعہ حقانیہ تشریف لائے تو حضرت والد صاحب نے انہیں اپنی یہ کتاب سنائی، حضرت علامہ صاحب نے بڑی توجہ اور دلچسپی سے کتاب کو سنا اور حضرت والد صاحب کو فرمایا :

حضرت ہمیں آپ کی تحریر سے حرف بحرف اتفاق ہے، ہم بچے سنی اور دیوبندی ہیں، یزید اور اس کی جماعت اور خارجیوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ برحق سمجھتے ہیں، محمود احمد عباسی کی تحقیق غلط ہے، آپ نے اس کی تردید میں جو کچھ لکھا ہے وہ حق اور صحیح ہے۔

(مجلہ الحقانیہ: ص ۹، ربیع الاول ۱۴۳۳ھ / فروری ۲۰۱۳ء)



مقدمہ

حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم
مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد الحمد والصلوة :

حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”وتفتقر ابني على ثلاث وسبعين
ملة كلهم في النار الا ملة واحدة، قالوا: من هي يا رسول الله؟ قال: ما انا عليه
واصحابي“۔ (ترمذی)

اس ارشاد گرامی سے معلوم ہوا کہ اس امت میں بہت سے فرقے ہوں گے اور
سب جہنمی ہوں گے، سوائے ایک جماعت اور طائفہ کے، وہ جنتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ
عنہم نے جب آپ سے اس ناجی جماعت کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے ”ما انا عليه
واصحابي“ فرما کر اس کی نشان دہی فرمادی۔ پتہ چلا کہ اہل السنۃ والجماعۃ جنتی جماعت اور
طائفہ ناجیہ ہے۔ اس جماعت حقہ کے عقائد و نظریات حق و سچ اور قرآن و سنت کے عین
مطابق ہیں۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم سے
محبت رکھی جائے۔ جو شخص صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار میں سے کسی سے محبت نہ رکھتا ہو وہ
سنی کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ صحابہ کرام یا اہل بیت عظام میں سے کسی سے بھی عداوت اور

دشمنی رکھنے والا شخص رافضی یا خارجی ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی دیگر صحابہ کرام پر فضیلت، حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ، اور اہل بیت میں سے سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے محبت کو اہل السنۃ کی علامات اور شعائر میں قرار دیا گیا ہے۔

آیت قرآنی: قُلْ لَا اسْتِغْنٰی لَکُمْ عَلَیْہِ اَجْرُ الْاَلٰی الْمُوَدَّۃِ فِی الْقَرْبٰی (پ ۲۵ ثورٰی) کی تفسیر لکھنے کے بعد ”آل رسول ﷺ کی تعظیم و محبت کا مسئلہ“ کے عنوان سے حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”ادپر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا تعلق صرف اس بات سے ہے کہ آیت مذکورہ میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی خدمت کے معاوضہ میں قوم سے اپنی اولاد کی محبت و عظمت کے لئے کوئی درخواست نہیں کی۔ اس کے یہ معنی کسی کے نزدیک نہیں کہ اپنی جگہ آل رسول مقبول ﷺ کی محبت و عظمت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ایسا خیال کوئی بد بخت گمراہ ہی کر سکتا ہے۔ حقیقت مسئلہ کی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و محبت کا ساری کائنات سے زائد ہونا جزو ایمان بلکہ مدار ایمان ہے اور اس کے لئے لازم ہے کہ جس کو جس قدر نسبت قریبہ رسول اللہ ﷺ سے ہے، اس کی تعظیم و محبت بھی اسی پیمانے سے واجب و لازم ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ انسان کی صلیبی اولاد کو سب سے زیادہ نسبت قربت حاصل ہے۔ اس لئے ان کی محبت بلاشبہ جزو ایمان ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ازواج مطہرات اور دوسرے صحابہ کرام جن کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ متعدد قسم کی نسبتیں قربت اور قرابت کی حاصل ہیں ان کو فراموش کر دیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حب اہل بیت و آل رسول ﷺ کا مسئلہ امت میں کبھی بھی زیر

اختلاف نہیں رہا۔ باجماع و اتفاق ان کی محبت و عظمت لازم ہے۔ اختلاف وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں دوسروں کی عظمتوں پر حملہ کیا جاتا ہے۔ ورنہ آل رسول ﷺ ہونے کی حیثیت سے عام سادات خواہ ان کا سلسلہ نسب کتنا ہی بعید بھی ہو، ان کی محبت و عظمت عین سعادت و اجر و ثواب ہے۔ اور چونکہ بہت سے لوگ اس میں کوتاہی برتنے لگے اس لئے امام شافعی رحمہ اللہ نے چند اشعار میں اس کی سخت مذمت فرمائی۔ وہ اشعار یہ ہیں اور درحقیقت یہی امت کا مسلم مذہب ہے۔

یارا کبا قف بالمحصب من منی و اهتف بساکن خیفھا والناھض
سحرا اذا فاض الحجج الی منی فیضا کملتطم الفرات الفاض
ان کان رفضا حب آل محمد فلیشهد الثقلان انی رافضی
اے شہنشاہ منی کی وادی محصب کے قریب رک جاؤ اور جب صبح کے
وقت عازمین حج کا سیلاب ایک ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریا کی طرح منی کی
طرف روانہ ہو تو اس علاقہ کے ہر باشندے اور ہر راہرو کو پکار کر کہ دو کہ اگر
صرف آل محمد ﷺ کی محبت ہی کا نام رخص ہے تو اس کائنات کے تمام جنات و
انسان گواہ رہیں کہ میں بھی رافضی ہوں۔ (معارف القرآن ج ۷ ص ۶۹۲)

حضرات صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار رحمہم اللہ کے بارہ میں اہل حق اہل السنۃ
والجماعہ کے عقیدہ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ یوں رقم
طراز ہیں:

ونشهد بالجنة والخیر للعشرة المبشرة وفاطمة وخديجة وعائشة
والحسن والحسين رضي الله عنهم ونوقرهم ونعترف بعظم محلهم في
الاسلام وكذلك اهل بدر واهل بيعة الرضوان وابوبكر الصديق امام

حق بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ عنہم ثم تمت الخلافة وبعده ملک عضوض۔ و ابو بکر رضی اللہ عنہ افضل الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم عمر۔۔۔۔۔ ونکف السنتنا عن ذکر الصحابة الا بخیر وهم ائمتنا وقادتنا فی الدین وسبہم حرام وتعظیمہم واجب۔

(نامی سازش ص ۲۸ بحوالہ تہذیبات الہیہ ج نمبر ۲ ص ۱۲۸)

ترجمہ: اور ہم حضرات عشرہ مبشرہ حضرت فاطمہ حضرت خدیجہ حضرت عائشہ حضرت حسن حضرت حسین رضی اللہ عنہ ان سب حضرات کے حق میں ان کے جنتی ہونے کی اور برگزیدہ ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ ان کی توقیر کرتے ہیں اور اسلام میں جو ان حضرات کا بڑا درجہ ہے اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور اسی طرح سے ان حضرات کے بارہ میں بھی کہ جو غزوہ بدر اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے۔ اور آنحضرت علیہ السلام کے بعد خلیفہ برحق حضرت ابو بکر صدیق تھے پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہ پھر خلافت نبوت کی مدت ختم ہو گئی اور اس کے بعد کاٹ کھانے والی بادشاہی کا دور شروع ہوا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ اس کے بعد اس امت میں سب سے افضل ہیں اور پھر آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے بارہ میں بجز ذکر خیر کے ہم اپنی زبانیں بند رکھیں گے وہ دین میں ہمارے پیشوا اور مقتدا ہیں ان کو برا کہنا حرام ہے اور ان کی تعظیم کرنا واجب ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نور اللہ مرقدہ محبت اہل بیت عظام رضی اللہ عنہما کی اہمیت سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

”بد سر اصل سخن بدویم چگونہ عدم محبت اہل بیت در حق



اهل سنت گمان برده شود که آن محبت نزد آن بزرگواران جزو ایمان است و سلامتی خاتمه را برسوخ آن محبت مربوط ساخته اند. والد بزرگوار این فقیر که عالم بودند بعلم ظاهری و بعلم باطنی در اکثر اوقات ترغیب بمحبت اهل بیت می فرمودند و می فرمودند که این محبتی را در سلامتی خاتمه مدخله است عظیم نیت رعایت آن باید نمود در مرض موت ایشان این فقیر حاضر بود چون معامله ایشان بیاد ایشان داد و از آن محبت استفسار نمود در آن بیخودی فرمودند که غرق محبت اهل بیتم شکر خداوند عز و جل در آن وقت بجا آورده شد.

محبت اهل بیت سرمایه اهل سنت مخالفان ازین معنی غافل اند و از محبت متوسط ایشان جاهل جانب افراط را خود اختیار کرده اند و ماوراء افراط را تفریط انگاشته حکم بخروج نموده اند و مذهب خوارج انگاشته اند ندانسته اند که میان افراط و تفریط حدی است وسط که مرکز حق است و موطن صدق که نصیب اهل سنت گشته است شکر الله سعیم.

(کتوبات امام ربانی حصه ششم و نهم و دهم مکتوب ۲۶ ص ۷۷)

و حضرت امام حسن افضل ست از امام حسین (ع) و علماء اهل سنت در علم و اجتهاد حضرت عائشه را رضی الله عنها بر حضرت فاطمه (ع) فضیلت میدهند حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سره در کتاب غنیه حضرت عائشه را تقدیم

میدهد و آنچه معتقد این فقیر است آن است کہ حضرت عائشہ در علم و اجتہاد پیش قدم است و حضرت فاطمہ در زہد و تقویٰ و انقطاع پیش او لہذا حضرت فاطمہ را بتول می گفتند کہ صیغۂ مبالغہ ست در انقطاع و حضرت عائشہ مرجع فتاویٰ صحابہ بودہ است رحمۃ اللہ علیہا ہیچ مشکلی در علم بر اصحاب پیغمبر علیہ و علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات پیش نمی آمد مر آنکہ حل آن نزد عائشہ بود رحمۃ اللہ علیہا۔ (مکتوبات دفتر دوم ص ۳۹ مکتوب ۶۷)

اس عبارت میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے والد گرامی حضرت شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ جو قطب عالم حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے بیعت اور آپ کے جانشین حضرت خواجہ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے کا موقف اہل بیت کرام کے متعلق واضح ہے۔ یہ عبارت چونکہ فارسی میں ہے اردو خواں حضرات کی سہولت کے لئے ہم کتاب تذکرہ حضرت مجدد الف ثانی سے اس کا اردو ترجمہ پیش کرتے ہیں۔

اہل بیت عظام رحمۃ اللہ علیہم

اب ہم اصل بات بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہل بیت کی محبت کا نہ ہونا اہل سنت کے حق میں کس طرح گمان کیا جاسکتا ہے جب کہ یہ محبت ان بزرگواران کے نزدیک ایمان کا جزو ہے اور خاتمہ کی سلامتی اس محبت کے راسخ ہونے پر وابستہ ہے۔ اس فقیر کے والد بزرگوار جو کہ ظاہری و باطنی علوم کے عالم تھے اکثر اوقات اہل بیت کی محبت کے لئے ترغیب فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس محبت کو خاتمہ کی سلامتی میں بڑا دخل ہے اس کی بڑی رعایت کرنی چاہئے۔ ان کے مرض الموت میں یہ فقیر حاضر تھا جب ان کا معاملہ انجام کو پہنچا اور اس جہاں کو شعور کم ہو گیا تو اس وقت اس فقیر نے ان

کی بات (محبت اہل بیت) کو انہیں یاد دلایا اور اس محبت کے بارہ میں ان سے دریافت کیا تو اس بے خودی کے عالم میں انہوں نے فرمایا کہ میں اہل بیت کی محبت میں غرق ہوں اس وقت میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا۔

اہل بیت کی محبت اہل سنت والجماعت کا سرمایہ ہے۔ مخالف لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں اور ان کی محبت متوسط سے جاہل ہیں۔ مخالفوں نے اپنی افراط کی جانب کو اختیار کیا ہے اور افراط کے سوا کوئی تفریط خیال کر کے خروج کا حکم کیا ہے اور خوارج کا مذہب سمجھا ہے۔ نہیں جانتے کہ افراط و تفریط کے درمیان حد وسط ہے جو حق کا مرکز اور صدق کا موطن ہے جو اہل سنت والجماعت شکر اللہ سعیم کو نصیب ہوا ہے۔

حضرت فاطمہؑ و حضرات حسنینؑ کی فضیلت

حضرت امام حسنؑ حضرت امام حسینؑ سے افضل ہیں۔ علماء اہل سنت والجماعت حضرت عائشہ صدیقہؑ کو علم و اجتہاد میں حضرت فاطمہؑ پر فضیلت دیتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں حضرت عائشہؑ (۱) کو مقدم سمجھتے ہیں۔ لیکن فقیر کا جو اعتقاد ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؑ علم و اجتہاد میں پیش قدم ہیں اور حضرت فاطمہؑ کو بتول کہتے ہیں۔ جو انقطاع میں مبالغہ کا صیغہ ہے اور حضرت عائشہؑ اصحاب کرام کے فتاویٰ کا مرجع تھیں۔ پیغمبر علیہ الصلاۃ

(۱) حضرت مؤلف تذکرہ مجدد الف ثانی نے یہاں ترجمہ میں حضرت فاطمہؑ کا نام مبارک لکھا ہے جبکہ اصل فارسی کتاب گرامی میں حیثاً کہ عبارت سے ظاہر ہے حضرت عائشہؑ کا اسم گرامی ہے، اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے ہم نے اصل کے مطابق یہی نام ترجمہ میں لکھ دیا ہے فافہم واللہ اعلم۔ ۱۲

والسلام کے اصحاب کرام کو علم میں جو مشکل پیش آتی تھی حضرت عائشہ کی

خدمت میں اس کا حل طلب کرتے تھے۔ (تذکرہ حضرت مجدد الف ثانی ص ۵۳۱)

صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم سے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کا یہی موقف ہے جو قرآن و سنت کے عین مطابق ہے۔ لیکن اس کے برخلاف روافض نے حب اہل بیت کی آڑ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مورد طعن ٹھہرایا، ان پر سب و شتم اور لعنت کو جائز قرار دے دیا۔

دوسری طرف خوارج نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دفاع کے نام پر حضرات اہل بیت عظام (جن کی عظمت و محبت ہر مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے) کے حق میں سخت کوتاہی کی اور ان کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ یہ دونوں گروہ یقیناً حق سے دور اور اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہیں۔ اہل سنت والجماعت کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن فتنوں کے اس دور میں خارجیت، سبائیت، رافضیت مختلف شکل و صورت اختیار کر کے مسلمانوں کو راہ اعتدال اور صراطِ مستقیم سے برگشتہ کرنے کی پوری کوشش میں مصروف ہے۔ چنانچہ ماضی قریب میں جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بانی جماعت اسلامی اور جناب محمود احمد عباسی صاحب مؤلف کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ نے اپنے اپنے انداز میں اس فریضہ کو ادا کر کے خارجیت اور رافضیت کی ترجمانی کی ہے۔

حق تعالیٰ بہت بہت جزاء خیر دے ان علماء حق کو جنہوں نے ہر دور میں باطل عقائد و نظریات کا رد کیا اور احقاقِ حق کا فریضہ بحسن و خوبی ادا کر کے مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کی ترجمانی کا حق ادا کیا اور اہل السنۃ والجماعۃ کے متفقہ مسلک کے خلاف لکھے جانے والے افکار و نظریات کا رد فرمایا۔ شکر اللہ مساعیہم الجمیلۃ و جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

کتاب ”محمود احمد عباسی کے نظریات پر تحقیقی نظر“ بھی اسی سنہری سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس کتاب کے ابتدائی حصہ میں اگرچہ مودودی صاحب کے نظریات پر بھی رد



کیا گیا ہے لیکن وہ صرف ضمناً و تمہیداً ہے۔ اصل مقصود محمود احمد عباسی امروہی صاحب کے غلط و باطل نظریات کا رد ہے۔ مودودی صاحب کے افکار و نظریات پر رد کے لئے قارئین حضرت والد گرامی رحمہ اللہ کا مستقل رسالہ ”ابوالاعلیٰ مودودی کے نظریات پر تحقیقی نظر“ ملاحظہ فرمائیں۔ محمود احمد عباسی امروہی نے جب اپنے باطل نظریات کی نشر و اشاعت کے لئے

کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ شائع کی جس میں حضرات اہل بیت عظام رحمہم اللہ پر بے جا اعتراضات اور ان کی شان اقدس میں گستاخی کی گئی ہے تو حضرات علماء کرام نے بروقت اس کی تردید فرمائی۔ حضرت والد ماجد فقیہ العصر یا دگار اسلاف مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اپنے خاص ذوق اور مسلک اعتدال کی ترجمانی کرتے ہوئے یہ کتاب تحریر فرمائی۔ اور کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ میں مؤلف کتاب امروہی صاحب نے اہل بیت حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور سیدۃ النساء اہل الجنة حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نیز سیدنا حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی منقصت اور یزید کے دفاع اور منقبت بیان کرتے ہوئے خارجیت کی جو ترجمانی کی ہے، حضرت والد گرامی قدس سرہ نے دلائل و براہین کی روشنی میں اس کا رد فرما کر امروہی صاحب کے دلائل کی حقیقت کو واضح فرما دیا ہے۔ اس ضمن میں اگرچہ فسق یزید کے مسئلہ پر بھی بحث کی گئی ہے لیکن اس مسئلہ پر حضرت رحمہم اللہ نے ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے جو ”فسق یزید“ کے نام سے مکرّمی جناب رضوان نفیس صاحب بار بار شائع فرما رہے ہیں۔ لہذا اس مسئلہ کی مزید تفصیلات اس رسالہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

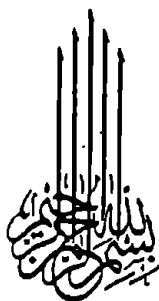
کتاب ہذا حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے آج سے پینتالیس سال قبل ۱۹۶۷ء میں تحریر فرمائی دی تھی لیکن طباعت و اشاعت کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے شائع نہ ہو سکی۔ گزشتہ سال ”مجلہ الحقائق سہ ماہی وال سرگودھا“ میں پہلی بار قسط و اشائع ہوئی۔ احقر کا عرصہ سے خیال تھا کہ مسئلہ بھی اس کی اشاعت ہو جائے۔ حال ہی میں حضرت اقدس سید

نفس الحسینی رضی اللہ عنہ کے خادم خاص و خلیفہ مجاز محترم جناب میاں رضوان نفیس صاحب زید
 مجدہم سے اس کا ذکر آیا تو انہوں نے بڑے شوق اور محبت سے اس کی اشاعت کی ذمہ داری
 لی اور ساتھ ہی احقر سے بطور ابتدائیہ کچھ لکھنے کی فرمائش بھی کی۔ چنانچہ احقر نے یہ چند سطور
 ان ہی کی فرمائش پر لکھی ہیں۔ دل سے دعا ہے کہ حق تعالیٰ جناب محترم رضوان نفیس صاحب
 کو اپنے مشن میں مزید درمزد ترقی عطا فرمائیں اور اس کتاب کی طباعت پر جزائے خیر
 سے نوازیں۔ نیز دفاع صحابہ کرام و اہل بیت عظام کی ان کاوشوں کو حق تعالیٰ قبول فرمائیں
 اور گم گشتگان راہ ہدایت کے لئے ہدایت کا سبب بنائیں آمین۔ وما ذالک علی اللہ
 بعزیز۔ فقط

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

خادم دارالافتاء جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

۲۵ / ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ



تقریظ

حضرت مولانا محمد احمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ

فاضل جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

وبانی مدرسہ اشرفیہ سکھر

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم:

میرے قدیمی محسن و کرم فرما مولانا سید عبدالشکور صاحب کو اللہ تعالیٰ نے علم کے ساتھ ساتھ پرہیزگاری اور تقویٰ کی دولت سے بھی سرفراز فرمایا ہے اور ”تجدد پسند“ اور محرفین کے کیند و کمر کی گرفت کرنے کی صلاحیت سے بھی حصہ وافر عطا ہوا ہے، مولانا موصوف نے ”خلافت معاویہ و یزید“ کے مصنف کے مغالطات کو واضح کرنے کی ابتدائی سعی فرمائی ہے۔ یہ مقالہ مختصر ہونے کے باوجود اصولاً جامع ہے، جس سے ”تحقیق وریسرج“ کے نام پر کام کرنے والے متجددین کی تلبیسات کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔

ہمارے ملک میں مختلف حضرات نے یہ بیڑا اٹھا رکھا ہے کہ وہ دین اور تاریخ کے مسلمات کو بھی تحقیق وریسرج کے نام سے مجروح کر دینے اور عوام کو اسلاف سے کاٹ کر دین کی قطع و برید کے زہر ہلاہل کو ان کے گلے سے اتار دیں۔

اگر تحقیق و ریسرچ کا نام نہ دیا جاتا تو امت مسلمہ ان کی تحریفات و تلپیسات کو برداشت نہ کر سکتی۔ مگر ریسرچ اسکا لری حیثیت سے اپنا حاصل مطالعہ بنا کر جب کسی بات کو عوام کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو وہ چونکہ ان کے اندرونی زہریلے اثرات سے واقف نہیں ہوتے اس لیے شکار کرنے والوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ہمارے ملک کے متجددین نے یہ طریقہ اپنے غیر ملکی اساتذہ اور آقاؤں (مستشرقین یورپ) سے سیکھا ہے اور تیرہ سو سالہ مسلمات کو مشکوک بنا کر پیش کرنا ہی ان کا منہجائے نظر ہے۔ اور مسلمانوں کو اپنے ماضی سے کاٹ کر الجادو بے دینی کی راہ پر لگادینا چاہتے ہیں۔

بڑے سے بڑے محدث کو بھی مطعون کرنے میں باک نہیں کرتے۔ صحیح سے صحیح حدیث کو بھی جعلی اور من گھڑت کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں، یہ سب کچھ ایک سمجھی بوجھی سیکم اور خصوصی حلقہ فکر و نظر پیدا کرنے کے لیے کیا جا رہا ہے۔

ضرورت ہے کہ اس قسم کے حضرات کے لڑیچہ کا بلاستیعاب مطالعہ کیا جائے اور ان کی جملہ تلپیسات کو طشت از بام کیا جائے تاکہ آنے والی امت ان کے مکرو فن سے واقف ہو سکے اور امت اسلامیہ ان کے سنہری جال میں نہ آ سکے۔

دین پسند اہل قلم اور علماء امت سے مخلصانہ استدعاء ہے کہ وہ اس فتنہ کے انسداد کے لیے ابھی سے کوئی متفقہ پروگرام بنائیں کہ ابھی تو اس فتنہ کی ابتداء ہے لیکن ایسا نہ ہو کہ پانی سر سے گزر جائے اور بعد میں ہم کو خدا کے حضور جواب دہی کرنا پڑے۔

محمد احمد تھانوی

مہتمم مدرسہ اشرفیہ سکھر

حال وارد سرگودھا

۱۴ اکتوبر ۶۸ء

مختصر حالات

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ
فاضل دارالعلوم دیوبند بانی جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

ولادت باسعادت:

آپ کی ولادت موضع اژدن ریاست پٹیالہ ہندوستان میں ۱۱ رجب المرجب
۱۳۳۱ھ بمطابق مارچ ۱۹۲۳ء کو ہوئی، عبدالشکور آپ کا نام رکھا گیا بعد میں تاریخی نام
مرغوب النبی نکالا گیا۔

تعلیم و تربیت:

آپ نے قاعدہ مدرسہ معین الاسلام قصبہ نوح ضلع گڑگاہواں میوات کے علاقہ
میں پڑھا، یہ مدرسہ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمہ اللہ نے بنایا تھا، ابتدائی نوشت
وخواند کے بعد اردو، ناظرہ قرآن پاک، حساب کی تعلیم مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں
ہوئی اور قرآن کریم اسی مدرسہ میں خلیفہ حافظ اعجاز احمد تھانوی رحمہ اللہ سے حفظ کیا۔

سفر حجاز:

حفظ کے بعد فارسی کتب والد ماجد حضرت مفتی عبدالکریم مکتھلوی رحمہ اللہ سے
پڑھیں، پھر جب ۱۳۵۶ھ ۱۹۳۸ء میں والد ماجد حج کے لیے حجاز تشریف لے گئے تو آپ
بھی ہمراہ تھے، آٹھ ماہ آپ کا قیام مدینہ منورہ میں ہوا، وہاں آپ نے ابتدائی عربی کتب

والد ماجد سے پڑھنے کے علاوہ حضرت قاری اسعد صاحب رحمہ اللہ وغیرہ سے قرآن کریم کی مشق کی اور کتب تجوید پڑھیں، شیخ القراء قاری حسن شاعر رحمہ اللہ مسجد نبوی میں مقدمہ جزریہ پڑھاتے تھے آپ اس میں بھی شریک ہوتے، حجاز سے واپسی ۱۳۵۸ھ بمطابق ۱۹۳۹ء میں دوسرے حج کے بعد ہوئی۔

عربی تعلیم:

حجاز سے واپسی پر قصبہ راج پورہ ریاست پٹیالہ کے عربی مدرسہ میں مولانا سمیع اللہ خان رحمہ اللہ بزراد حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خان رحمہ اللہ سے ابتدائی عربی کتابیں پھر انبالہ چھاؤنی کے مدرسہ معین الاسلام میں مولانا محمد متین رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد مبین رحمہ اللہ صاحب سے کتب عربیہ متوسطہ پڑھیں۔

سبعہ قراءات مع ثلاثہ:

انبالہ چھاؤنی کے زمانہ تعلیم میں شاطبیہ حضرت والد صاحب سے پڑھی بعد ازاں شیخ القراء مولانا قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانی رحمہ اللہ کی خدمت میں پانی پت حاضر ہو کر حضرت مولانا موصوف کو سارا قرآن کریم بطریق جمع الجمع سنایا اور نقل بھی کیا اور شاطبیہ بھی دوبارہ پڑھی، اس کے بعد امام القراء قاری فتح محمد صاحب ضریر رحمہ اللہ سے ”الدرۃ المفیہ“ پڑھی اور ”شاطبیہ“ کا بعض حصہ اور ”مقدمہ جزریہ“ پورا سنایا پھر بزمانہ قیام دارالعلوم دیوبند حضرت قاری حفظ الرحمن سے مشق کی اور ”طیۃ النشر“ کا بعض حصہ پڑھا۔

تکمیل علوم:

پانی پت سے فراغت کے بعد آپ کے والد ماجد رحمہ اللہ نے آپ کو شاہ آباد ضلع کرنال مدرسہ حقانیہ میں اپنے پاس بلا لیا اور حسامی، شرح وقایہ، ہدایہ اولین، قطبی وغیرہ کتب خود پڑھائیں، شوال ۱۳۶۲ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا مگر عید الاضحیٰ کے

بعد ۱۹۴۴ء میں مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاولنگر چلے گئے اس وقت وہاں آپ کے والد محترم صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے، آپ نے جلالین والد ماجد سے اور ہدایہ اخیرین، مشکوٰۃ شریف، منطق کے دیگر اسباق مولانا ظہور احمد صاحب رحمۃ اللہ سابق مدرس دارالعلوم دیوبند سے پڑھے، شوال ۱۳۶۳ھ میں آپ کا داخلہ دارالعلوم دیوبند میں ہوا وہاں آپ دو سال زیر تعلیم رہے پہلے سال مطول، شرح العقائد، ملاحسن، میبذی وغیرہ کتب حضرت مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک حضرت مولانا عبدالحق، حضرت مولانا فخر الحسن، مولانا محمد جلیل صاحب رحمۃ اللہ سے پڑھ کر اگلے سال شوال ۱۳۶۴ھ بمطابق ۱۹۴۵ء میں دورہ حدیث شریف میں داخل ہوئے اور شعبان المعظم ۱۳۶۵ھ ۱۹۴۶ء میں فراغت پائی دورہ حدیث شریف میں ترمذی شریف حضرت مدنی قدس سرہ نے شروع کرادی تھی کہ وہ اس کے بعد تین ماہ کی رخصت پر تشریف لے گئے، آپ کی جگہ حضرت مولانا فخر الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تقریباً تین ماہ سے ماہی تک ترمذی شریف اور بخاری شریف کا درس دیتے رہے اس عرصہ میں ترمذی کی کتاب الصلاۃ اور بخاری شریف کی کتاب العلم ختم ہوگئی تھی پھر حضرت مدنی قدس سرہ تشریف لے آئے، آپ نے ترمذی جلد اول اور بخاری کی ہر دو جلد مکمل کرائیں ترمذی کی جلد ثانی اور شمائل ترمذی حضرت مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ نے پڑھائی مسلم، ابوداؤد، نسائی، طحاوی، مؤطا امام مالک علی الترتیب حضرت مولانا بشیر احمد گلاؤٹھی، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، حضرت مولانا فخر الحسن، حضرت مولانا عبدالحق، حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ سے اور ابن ماجہ، وموطا امام محمد دیگر اساتذہ کرام سے پڑھیں۔

تربیت باطنی و سلوک:

آپ طالب علمی کے زمانہ میں ہی بڑی پیرانی صاحبہ رحمۃ اللہ کی سفارش پر حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے بیعت ہو گئے تھے، چودہ سال کی عمر تک حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ کے زیر سایہ تھانہ بھون ہی میں آپ کا قیام رہا، حکیم الامت رحمۃ اللہ کی

وفات کے وقت آپ کی عمر اکیس سال تھی آخر تک حضرت سے تعلق رہا، جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ ۱۹۴۲ء میں مظاہر علوم سہارنپور کے جلسہ میں شرکت کے بعد آپ اپنے والد ماجد اور عم محترم جناب عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ کے ساتھ حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے خصوصی شفقت و عنایت کا معاملہ فرمایا اور از خود تحریک فرما کر چچا محترم کی لڑکی سے نکاح بھی پڑھایا حضرت کی وفات کے بعد اصلاحی تعلق حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ سے رہا پھر حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری سے اور پھر حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ سے رہا، ان کی وفات کے بعد حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ سے۔ حضرت علامہ عثمانی اور حضرت مفتی اعظم قدس سرہا نے آپ کو اجازت بیعت سے بھی نوازا۔

علمی خدمات اور ہجرت پاکستان:

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے کچھ عرصہ راجپورہ ریاست پٹیالہ کے مدرسہ میں تدریس کا کام کیا، اس کے بعد مدرسہ حقانیہ شاہ آباد ضلع کرنال میں مدرس ہو گئے اور کنز، شرح جامی وغیرہ تک کتابیں پڑھائیں۔

تقسیم ملک کے بعد یکم فروری ۱۹۴۸ء کو ساہیوال ضلع سرگودھا صوبہ پنجاب میں قیام ہوا، یہاں تعلیم و تبلیغ، تصنیف و افتاء اور تدریس کی عظیم الشان خدمات انجام دیں، یہاں آپ نے پہلے مدرسہ قاسمیہ کے نام سے شہر کی قدیم مسجد شہانی میں ایک مدرسہ قائم کیا، حفظ و ناظرہ کے علاوہ مشکوٰۃ تک کتابیں بھی آپ پڑھاتے رہے، ۱۹۵۳ء میں ختم نبوت کی تحریک چلی تو تین چار ماہ آپ جیل میں رہے جس کی وجہ سے مدرسہ بند ہو گیا، پھر آپ نے ۱۹۵۵ء میں نئی جگہ پر مدرسہ حقانیہ کے نام سے دینی ادارہ کی بنیاد رکھی جو تعمیر و تعلیم کے لحاظ سے بحمد اللہ خوب رو بہ ترقی ہے، اس وقت مدرسہ میں طلباء و طالبات کی تعداد سات صد سے متجاوز ہے، مقیم طلباء سو سے زائد ہیں، حفظ و ناظرہ کے علاوہ طلبہ

وطالبات کے لیے درس نظامی مع دورہ حدیث شریف کا بھی انتظام ہے، علاوہ ازیں علماء کرام اور فضلاء درس نظامی کے لیے درجہ تخصص فی الفقہ کی تعلیم کا بھی انتظام ہے جس میں انہیں دو سال تک افتاء کی تربیت دی جاتی ہے۔

۱۹۶۰ء میں مسجد حقانیہ کے نام سے آپ نے ایک عظیم مسجد کا سنگ بنیاد بھی رکھا جو اس وقت علاقہ کی بڑی مساجد میں شمار ہوتی ہے، عید گاہ حقانیہ کی زمین اس کے علاوہ ہے جس پر عید کی نماز ادا کی جاتی ہے، مسجد ننب کے نام سے دو منزلہ جامع مسجد بھی الگ تعمیر ہو چکی ہے اس کے ساتھ جامعہ کی شاخ بھی ہے جس میں قرآن کریم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مزید توسیع کے لیے تقریباً ۲۱ کنال زمین الگ بھی خرید لی گئی ہے اس میں فی الحال دو مدرس قرآن کریم کی تعلیم دے رہے ہیں، ساہیوال شاہپور روڈ پر بھی تین کنال جگہ میں مسجد اور مدرسہ کی تعمیر زیرِ غور ہے، مدرسہ البنات کی عمارت اس کے علاوہ ہے جس میں دورہ حدیث تک درس نظامی پڑھایا جاتا ہے۔

جامعہ کے شعبہ دارالافتاء سے کئی ہزار تحریری فتاویٰ جاری ہو چکے ہیں جس میں تقریباً دس ہزار فتاویٰ کا ریکارڈ محفوظ ہے ان پر تحقیق و تبویب کا سلسلہ جاری ہے، آپ کے ان فتاویٰ کا نام ”امداد السائل فی الاحکام والمسائل“ رکھا گیا ہے۔

تصنیف و تالیف:

حضرت مفتی صاحب نے تصنیف و تحریر کا عظیم سلسلہ بھی بڑی محنت سے جاری رکھا اور بہت سی گرانقدر کتب تحریر فرمائیں، اس وقت آپ کی تصنیفات، رسائل مقالات و مضامین کی تعداد ۲۰۰ سے متجاوز ہے ان میں بعض تصنیفات کے نام یہ ہیں:

- (۱) کلمہ احکام القرآن للشیخ محمد ادریس کاندھلوی (۲) تکریم احکام القرآن للعلامة الشیخ ظفر احمد عثمانی (۳) سمتہ البیان فی ترجمۃ القرآن (۴) اشرف البیان فی علوم القرآن (۵) ہدلیۃ الخیر ان فی جواہر القرآن (۶) تقریر ترمذی شریف (۷) خلاصہ

الارشاد فی مسئلۃ الاستمداد (۸) ادراک الفضیلۃ فی الدعاء بالوسیلۃ (۹) اسلامی حکومت کا مالیاتی نظام (۱۰) شخصی ملکیت اور اسلام (۱۱) دعوت و تبلیغ کی شرعی حیثیت (۱۲) حیات انبیاء کرام علیہم السلام (۱۳) مجموعہ فتاویٰ امداد السائل فی الاحکام والمسائل (۱۴) گاؤں میں جمعہ کا شرعی حکم (۱۵) گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مرتد کی شرعی سزا (۱۶) عورت کی سربراہی اور اسلام (۱۷) تحریک پاکستان کی شرعی حیثیت (۱۸) عقائد علماء دیوبند (۱۹) روایت ہلال کی شرعی حیثیت (۲۰) فضائل جہاد (۲۱) تذکرۃ الظفر (۲۲) تذکرہ شیخ الاسلام حضرت مدنی (۲۳) معارف حضرت مدنی (۲۴) تذکرۃ الشیخ محمد زکریا کاندھلوی (۲۵) اشرف المعارف (۲۶) حضرت انفانی کی تفسیری خدمات (۲۷) حضرت مفتی اعظم کی تفسیری خدمات (۲۸) تاریخ مدارس دینیہ (۲۹) دینی مدارس اور ان کا نصاب تعلیم (۳۰) نفاذ شریعت بل اسمبلی کی ذمہ داری اور علماء کا کردار (۳۱) ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے نظریات پر ایک تحقیقی نظر (۳۲) محمود احمد عباسی کے نظریات پر تحقیقی نظر (۳۳) تفسیر ترجمان القرآن اور ابوالکلام کے نظریات پر ایک نظر وغیرہ۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی عظیم عمق کی شخصیت اپنے دور میں اسلاف کی یادگار اور معنومات دہر میں سے تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہر و باطن کا جامع بنایا تھا آپ نے جہاں وقت کے اکابر اولو العلم والفصل اور تائبہ روزگار شخصیات سے اکتساب فیض کیا وہیں وقت کے مجدد اور حکیم الامت سے فیض باطنی حاصل کرنے کی سعادت بھی پائی۔

محدث جلیل حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ صاحب اعلاء السنن، مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ، مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، فقیہ ملت حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہم جیسی عظیم ہستیوں کو آپ پر ہمیشہ اعتماد رہا، اہل علم میں آپ کی تصنیفات و تحقیقات اور ارباب فتاویٰ میں آپ کے وقیع فتاویٰ بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

مسک دیو بند اور بطور خاص مسک اشرفی کی ترجمانی میں آپ کو صف اول کے علماء میں شمار کیا جاتا ہے، غرضیکہ آپ کی علمی، فقہی، تصنیفی، تدریسی خدمات کے پیش نظر صرف جامعہ حقانیہ ساہیوال اور علاقہ ہی نہیں بلکہ پورے ملک میں آپ کا فیض جاری ہے، ضعف اور بیماری نیز کبرسنی کے عالم میں بھی آپ دینی خدمات بڑی تندہی سے انجام دیتے رہے۔ جامعہ حقانیہ کے علاوہ کئی دوسرے دینی مدارس کی بھی آپ سرپرستی اور اہتمام ورہنمائی فرماتے رہے، دینی ادارے اور ملک کے کئی بڑے جامعات کی شوروی میں بھی آپ شامل رہے۔

ساختہ وفات:

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ساری زندگی دینی علمی فقہی خدمات میں گزاری اور ۵ ر شوال المکرم ۱۴۲۱ھ بروز سوموار یکم جنوری ۲۰۰۱ء کو انتقال فرمایا، اگلے روز آپ کا جنازہ حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم نے پڑھایا، ہزاروں افراد نے اس میں شرکت کی اور عصر سے قبل حقانیہ قبرستان ساہیوال سرگودھا میں آپ کی تدفین ہوئی، نور اللہ مرقدہ سقی اللہ ثراہ وجعل الجنة مثواہ ومأواہ، آمین۔

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے بالواسطہ اور بلا واسطہ ہزاروں تلامذہ، مدارس اور آپ کی وسیع علمی تصنیفات و فتاویٰ آپ کے لیے بہترین صدقہ جاریہ اور باقیات صالحات ہیں، بطور خاص مدرسہ جامعہ حقانیہ، جامع مسجد حقانیہ، عید گاہ حقانیہ آپ کی عظیم یادگار ہیں، حق تعالیٰ ان کو ہمیشہ قائم رکھیں اور حضرت کے درجات کو بلند فرمائیں، آمین۔

تفصیلی حالات کے لیے کتاب ”حیات ترمذی“ مؤلفہ مفتی سید عبدالقدوس ترمذی صاحب مدظلہم مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا کا مطالعہ فرمائیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جدید تحقیق وریسرچ کے مذموم مقاصد :

چودہ سو سالہ قدیمی مذہب اسلام سے برگشتہ اور منحرف کرنے کا کام چونکہ اسلام کی اعتمادی شخصیتوں سے بد اعتمادی پیدا کرنے کے بغیر انجام نہیں پاسکتا اور دین اسلام میں تحریفات و تلبیسات اس وقت تک برداشت نہیں کی جاسکتیں جب تک کہ مسلمانوں کا رشتہ اپنے اسلاف کے ساتھ مستحکم اور مضبوط اور سلف صالحین کے ساتھ ان کا اعتماد قائم ہے، اس لیے ہمارے ملک میں تاریخی تحقیق وریسرچ کے نام پر کام کرنے والی مختلف تحریکوں نے اپنے ذمہ یہ کام لے رکھا ہے کہ مسلمانوں کو اسلاف سے بد اعتقاد بنا کر ان کا باہمی تعلق منقطع کر دیا جائے، اس کے بعد مذہبی عقائد کی تحریف اور اسلامی مسلمات کی تبدیلی کرنے کا کام بڑی آسانی کے ساتھ قابل قبول ہو سکتا ہے۔

چودہ سو سالہ مسلمات کو ”تحقیق وریسرچ“ کے نام پر مشکوک بنا کر پیش کرنے کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے اعتماد کا رشتہ ماضی کی قابل اعتماد شخصیتوں سے کاٹ کر دین میں قطع و برباد اور الحاد و بے دینی کی راہ کو ہموار کیا جائے، اسی طرح ان

مورخین نے اپنی نام نہاد تاریخی تحقیق کے نتیجہ میں اسلام کی معیاری شخصیتوں، صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کے بارہ میں بھی (جن پر اسلام کے ثبوت اور اس کی حقانیت کا انحصار ہے) اعتماد و یقین کی بنیادوں ہی کو ہلا کر رکھ دیا اور ان معتمد علیہ شخصیتوں کے بارہ میں بدظنی رکھنے والوں، روافض و خوارج، نیز منکرین حدیث بلکہ غیر مسلم ناقدین اسلام کے ہاتھ میں بھی ایک کارگر حربہ دے دیا ہے۔

یہ ایک تاریخی مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام میں جتنے بھی فرقے پیدا ہوئے ہیں اور جس نے بھی مسلمانوں میں انفریق و انتشار کا فتنہ پھیلا نا چاہا ہے، فتنہ انگیزی کے ان بانئوں کو کھلم کھلا اسلام کی مخالفت کرنے کی جرأت کبھی نہیں ہو سکی بلکہ ایسے لوگوں نے ہمیشہ زیر پردہ نفاق اسلام دوستی کے رنگ میں ہی اپنے خلاف اسلام عزائم کی تکمیل کی کوشش کی ہے اور ایسے سب لوگوں کا مشترک طور پر اس اصول پر عمل رہا ہے کہ جن مقدس ہستیوں کے واسطے امت تک اسلام پہنچا ہے ان سے مسلمانوں کو بدظن اور بداعتقاد کر دیا جائے، اس لیے یہ لوگ ان پر افتراء پردازی اور بہتان تراشی سے کام لے کر ان کو مجروح اور ناقابل اعتبار قرار دینے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔

..... فتنہ سبائیت :

عبداللہ بن سبابی مذہب شیعہ نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے بلکہ اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لیے جو منصوبہ بنایا تھا اس نے بھی اسی اصول پر عمل پیرا ہونے کو اپنے مقصد کے حصول کے لیے سب سے مفید سمجھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص شان اور عامہ مسلمین میں ان اساطین اسلام کے متعلق بداعتقادی اور بدظنی پیدا کر کے ان کو مجروح قرار دینے کو اپنے مذہب سبائیت کی بنیادی پالیسی قرار دیا تھا۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو اسلام میں تمام اختلافات اور فتنوں کی جڑ یہی فتنہ سبائیت ہے، اس نے کبھی شیعیت کے رنگ میں ظہور کیا، اور کبھی اپنی خارجیت کی صورت میں

اپنا جلوہ دکھلایا اور ضرورت پیش آنے پر اعتراض اور باطنیت کا لبادہ اوڑھنے سے بھی اس نے گریز نہیں کیا۔ غرضیکہ ہر زمانہ میں اس نے اس صورت کو جلوہ نمائی کے لیے اختیار کیا جو اس زمانہ کے فکری ذوق اور خصوصی مزاج کا لحاظ رکھتے ہوئے زمانہ کے ماحول کے مطابق تھی۔

موجودہ زمانہ میں بھی ایسے اشخاص پائے جاتے ہیں جنہوں نے سبائیت کو نئے لباس سے آراستہ کر کے پیش کرنے کی خدمت انجام دی ہے، اس زمرہ کے لوگوں میں سے ”جناب محمود احمد عباسی اور ابوالاعلیٰ مودودی صاحبان“ کی شخصیتیں خاصی معروف اور مشہور ہیں۔

اپنے پیٹروفرقہ بند لوگوں کی طرح انہوں نے بھی اپنی ذہانت و طباعی سے اندازہ کر لیا کہ سبائیت کا پرانا اسلحہ فرسودہ ہو چکا ہے اور اس کا پرانا لباس فیشن سے خارج ہو گیا ہے، نئی نسل اسے قدیم شکل میں قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے ان کی فکر سامانے زمانہ کے مطابق ایسی صورت پیش کی اور سبائیت کو جدید لباس پہنانے میں ایسا کمال دکھلایا کہ اہل سنت میں سے بعض لوگوں کے اذہان بھی اسے قبول کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور اس طرح شیعیت اور خارجیت کے جراثیم سینوں میں بھی سرایت کر گئے۔

کتاب خلافت و ملوکیت :

سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی ”خلافت و ملوکیت“ نامی کتاب میں بھی یہی خدمت انجام دی ہے، موصوف نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف تاریخ کی آڑ لے کر غلط اور موضوع الزامات کا انبار جمع کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بہت بڑی جماعت کو مجروح اور ناقابل اعتماد قرار دینے کا سامان بڑی دیدہ ریزی اور سعی بلیغ کے بعد فراہم کیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مودودی صاحب کی یہ کتاب ایک نادانف آدمی کے دل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت کے بارہ میں بے اعتمادی بلکہ نفرت اور حقارت کا جذبہ پیدا کرنے والی ہے اور یہی بے اعتمادی اور تحقیر، خود گمراہی ہونے کے ساتھ بہت سی دوسری گمراہیوں کا دروازہ کھولنے کے لیے کافی ہے۔ مودودی صاحب نے اپنی اس

کتاب میں جس خوبصورتی اور سلیقہ کے ساتھ سبائیت کے تلخ زہر کو شیریں بنا کر ناواقف اہل سنت کے حلق سے اتارنے کی کوشش کی ہے اگر بانی سبائیت عبداللہ بن سباء کو اس کا علم ہو جائے تو اس کی روح وجد میں آ کر رقص کرنے لگے۔ اسے دیکھ کر اس کا قاتل ہونا پڑتا ہے کہ موصوف نے بلاشبہ سبائیت کی وکالت کا حق خوب ہی ادا کیا ہے۔

..... خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بے بنیاد الزامات :

مودودی صاحب نے ”خلافت و ملوکیت“ میں جہاں حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وغیرہ جیسے اکابر صحابہ کرام پر الزامات لگانے کی جسارت کی ہے وہاں انہوں نے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات پر بھی بے بنیاد الزامات عائد کر کے روح سبائیت کو خوش کرنے کا سامان فراہم کیا ہے۔

..... حکیم الامت حضرت تھانوی کی رائے گرامی :

حضرت تھانوی قدس سرہ نے بالکل ابتداء میں ہی مودودی صاحب کی تحریک کے بارہ میں اپنی خداداد بصیرت کی بنا پر اپنے عدم اعتماد کا اظہار فرمادیا تھا۔ چنانچہ مولانا محمد منظور نعمانی کے خط کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا ”یہ تحریک دل کو نہیں لگتی“ (خاتمہ السوانح)

..... کتاب خلافت و ملوکیت پر علماء کی تنقید :

پھر جب کہ مودودی صاحب کے افکار و نظریات منظر عام پر آنے لگے اس وقت حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور دوسرے اکابر علماء نے موصوف کی غلطیوں پر باقاعدہ تصانیف کے ذریعہ گرفت فرمائی اور فتاویٰ کی صورت میں ان کے غلط افکار و نظریات سے مسلمانوں کو آگاہ کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بالخصوص خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی برملا تنقیص و توہین کا ارتکاب کرنے کے بعد تو مودودی صاحب بالکل ہی۔ بہ نقاب ہو چکے ہیں۔ اس سے

واضح ہو گیا ہے کہ موصوف کا طرز فکر اور انداز تحریر مخالفین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بالکل موافق ہے اور ان کا قلب و دماغ عظمت صحابہ سے بالکل خالی ہو چکا ہے۔

اس کتاب کے بارہ میں مختلف اہل علم نے اپنی آراء کا اظہار فرمایا اور اس پر تنقید و تبصرہ کر کے اس کے خلاف حق و تحقیق مقامات کی نشاندہی کا فرض بجا کیا۔

محدث وقت مولانا الشیخ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ شیخ الحدیث دارالعلوم ٹنڈوالہ یار نے بھی بالکل شروع میں ہی جس وقت مودودی صاحب کا یہ مضمون رسائل میں ہی شائع ہو رہا تھا اور ابھی کتابی شکل میں شائع نہیں ہوا تھا اپنے ایک طویل مقالہ ”براءت عثمان“ میں اس کا تحقیقی جائزہ لیا اور مودودی صاحب کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر عائد کردہ الزامات کی تردید فرمائی، پھر جب یہ مضمون کتابی شکل میں ”خلافت و ملوکیت“ کے نام سے شائع ہوا تو مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری نے ایک مفصل کتاب ”عادلانہ دفاع“ اس کی تنقید میں تحریر کی۔ بخاری صاحب نے اس کے ذریعہ مودودی صاحب کا خوب ہی تعاقب کیا اور اس طرح اہل سنت کی طرف سے دفاع کا حق بھی اچھی طرح ادا کر دیا، جزا ہم اللہ خیرا۔

حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی نے ”تجدید سبائیت“ کے نام سے اور مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے پہلے اپنے ماہنامہ ”البلاغ“ میں مودودی صاحب کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں اور مغالطہ انگیزیوں کے جواب میں قلم اٹھایا اور موصوف کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین آمیز افکار و نظریات کا ماشاء اللہ بڑے ہی متین انداز اور مضبوط طرزا استدلال کے ذریعہ تار و پود بکھیر کر رکھ دیا۔ بعد میں یہ مضمون ”حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق“ کے نام سے علیحدہ کتابی شکل میں بھی شائع کر دیا گیا ہے۔

صحابہ کرامؓ پر بے اعتمادی کا نتیجہ :

دین اسلام کو رسول اکرم ﷺ سے براہ راست سیکھنے اور حاصل کرنے والے اور اس کے سب سے اول ناقل اور دوسروں تک دین کے پہنچانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

پر ہی اگر اعتماد باقی نہ رہے اور وہ ناقابل اعتبار قرار پائیں تو اس زنجیر کی پہلی کڑی ہی ٹوٹ جائے گی جو امت کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ وابستہ کرتی ہے، اور اس کے بعد تمام کڑیاں بے کار ہو جاتی ہیں اور دین اسلام کا تسلسل و اتصال ختم ہو کر سرچشمہ ہدایت، قرآن مجید اور سنت نبوی ﷺ کا دامن امت کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔

وحی ربانی اور صاحب وحی دونوں کا مشاہدہ کرنے والی جماعت کو غیر معتبر اور مجروح قرار دے کر دین اسلام کو مشکوک بنانے اور امت کو ہدایت ربانی سے محروم کرنے کے سوا اور کیا نتیجہ حاصل کیا جاسکتا ہے؟

.....خلافت و ملوکیت کا تائثر:

جو بھی نادانف مسلمان یا غیر مسلم شخص اس کتاب کو پڑھے گا اس کے دل میں یہ تاثر قائم ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات پر ابھی پندرہ سال کا زمانہ ہی گزرا تھا کہ ان کے جلیل القدر اور زمرہ ”سابقون الاولون“ کے صحابی داماد، خلیفہ راشد نے اسلام کے مقررہ نظام حکومت میں اپنے شخصی مصالح کے پیش نظر رخنہ ڈالا اور خدا و رسول کے منشاء سے انحراف کر کے اپنی رائے کے مطابق تبدیلی کا آغاز کیا، اور ابھی چالیس سال بھی پورے نہ ہونے پائے تھے کہ دوسرے بڑے بڑے صحابہ کرام نے مل کر صریحاً خدا و رسول کے منشاء کے خلاف اسلام کے نظام حکمرانی کو تبدیل کر ڈالا۔

جس شخص کے دل میں یہ تاثر قائم ہو جائے تو کیا وہ دوسرے اصحاب رسول ﷺ کو شک و شبہ سے بالاتر سمجھ سکتا ہے؟ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ میں اس طرح شک و شبہ کا شکار ہو جانے کے بعد ان کے نقل کردہ اسلام کے بارے میں کیا ان حضرات کی معیاری اور اعتمادی حیثیت اس کی نظر میں باقی رہ سکتی ہے؟

.....ایک الزام کی حقیقت:

مودودی صاحب حضرت عثمان اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر الزام تراشی کرتے

وقت حقیقت واقعہ سے بالکل چشم پوشی کر لیتے ہیں اور صحیح صورت حال سے آنکھیں بند کر کے الزام عائد کرتے چلے جاتے ہیں، اس کا اندازہ لگانے کے لیے مثال کے طور پر اس واقعہ کو ہی لے لیجیے جس کا تذکرہ مودودی صاحب نے حضرت عثمان پر اپنے خاندان بنو امیہ کے ساتھ بے جا مراعات کے الزام کے ثبوت میں کیا ہے کہ ”انہوں نے افریقہ کے مال غنیمت کا پورا خمس (۵ لاکھ دینار) مروان کو بخش دیا“ حالانکہ اس واقعہ کی حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے اور اس حقیقت کو خود اسی مؤرخ طبری نے بھی نقل کیا ہے جس کے بکثرت حوالجات سے مودودی صاحب نے اپنی اس کتاب کو مرتب کیا ہے، لیکن معلوم نہیں اس خاص واقعہ میں انہوں نے اس کے حوالہ کو کیوں نظر انداز کر دیا۔

طبری نے ج: ۳، ص: ۱۲۹، پر صاف طور پر لکھا ہے کہ ”افریقہ کے مال غنیمت کا یہ خمس ۵ لاکھ دینار میں مروان نے خرید لیا تھا، حضرت نے اسے بخشا نہیں تھا۔“

اس واقعہ کی حقیقت تو یہ تھی کہ افریقہ کے خمس کو ۵ لاکھ دینار میں مروان نے خرید لیا تھا مگر الزام تراشی کے لیے مودودی صاحب کو بعض راویوں کے بے جا تعارف سے مسخ شدہ اس کی یہ صورت پسند آئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مروان کو ۵ لاکھ دینار کا خمس بے جا رعایت کے طور پر بخش دیا تھا۔

خمس غنیمت کا بطور عطیہ کے بخش دیا جانا امام وقت کے لیے جائز ہے۔ حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اس پر عمل بھی ہو چکا ہے (طبری ج ۲ ص ۳۸۴) لیکن پھر بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کسی مرحلہ پر بھی اس جائز مراعات سے اپنے خاندان کو بہرہ ور نہیں فرمایا یہاں تک کہ عبداللہ بن ابی سرح کو افریقہ کی مہم پر یہ کہہ کر بھیجا گیا تھا کہ فتح کے بعد خمس ان کو دیا جائے گا مگر بعد میں ان کو بھی اس خمس کے بیت المال میں داخل کرنے پر راضی کر لیا تھا۔

ایسی احتیاط پر عمل کرنے کے باوجود معلوم نہیں کہ بے جا مراعات کی الزام تراشی

کس مقصد کے لیے کی جا رہی ہے اور اس کے عوازل کیا ہیں؟ جب ایک صحابی رسول بالخصوص خلیفہ راشد کی شایان شان یہ واقعہ کتب تاریخ میں ملتا ہے تو پھر اسے ترک کر کے واقعہ کی اس صورت کو قبول کر لینا جس سے صحابی کی ذات ملوث و مطعون ہوتی ہے بلاشبہ انتخاب واقعات میں ایک طرف ذرہ حجان کے بغیر ایسا طرز عمل اختیار نہیں کیا جاسکتا۔

شیعت کی ترجمانی :

امام ابن تیمیہ کی ”منہاج السنۃ“ اور شاہ عبدالعزیز کی ”تحفۃ اثناء عشریہ“ وغیرہ شیعوں کے اس قسم کے الزامات کے جوابات کو تو مودودی صاحب نے یہ کہہ کر بے وزن کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ وکیل صفائی کی ایک طرفہ بحث ہے اور اس طرح شیعت کی راہ سے بہت بڑی رکاوٹ کو انہوں نے ہٹانا چاہا ہے، شیعہ صاحبان کو خوش ہونا چاہیے کہ مودودی نے ان کی ایسی امداد کی ہے اور ان پر اتنا بڑا احسان کیا ہے جسے انہیں کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

کوئی ناواقف سنی اگر شیعت کے زہر سے متاثر ہو جائے تو یہ کتابیں اس کے لیے تریاق کا کام دے سکتی ہیں، اور کل دنیائے شیعہ ان کتابوں کے سنگین جوابات اور بدلے بحثوں کے جواب سے عاجز ہو رہی تھی لیکن مودودی صاحب نے ان کی عاجزی اور بے بسی میں دیکھ کر نا ضروری سمجھا اور ان کتابوں کو بے وزن اور غیر معتبر قرار دے کر ہدایت کا یہ دروازہ بھی بند کر دیا اور شیعہ زہر کا یہ تریاق بھی اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

مودودی صاحب کا منہج تحقیق :

مودودی صاحب نے تاریخی واقعات کے انتخاب میں نہ تو قرآن مجید کی ان آیات کو پیش نظر رکھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صداقت و عدالت پر سب سے زیادہ وزنی شہادت ہیں اور نہ ان احادیث کو ہی ملحوظ رکھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بلند کرداری اور بے غرضی

پر شاہد ہیں، اور جن کی روشنی میں ہر صحابی کے عمل کی صحیح تصویر سامنے آ جاتی ہے یہاں تک کہ ان واقعات سے متعلق بہت سی قدیم و مستند تاریخی کتب کو بھی، جن میں سے دوسری طرح کی روایتیں مل سکتی ہیں حوالہ اور انتخاب واقعات کے لیے دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی بلکہ اس سے بڑھ کر ایک ہی کتاب میں دونوں طرح کی روایات موجود ہوتے ہوئے بھی ان کی نگاہ انتخاب ان ہی روایات پر پڑی ہے جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر الزام تراشی کی جاسکتی تھی، کیا مودودی صاحب کے قرآن وحدیث اور کتب تاریخ سے آنکھیں بند کر کے انتخاب واقعات میں اس یک طرفہ الزام تراشی رجحان اور تاریخ سازی کا نام ”تاریخی تحقیق و ریسرچ“ رکھ دیا گیا ہے؟

پہلے سے قائم کردہ اپنے رجحان کے مطابق ایسی تاریخی کتابوں سے جن میں کچی پکی اور رطب و یابس ہر طرح کی روایات پائی جاتی ہیں اپنی پسند کے چند واقعات کو منتخب کر کے ان کو قابل اعتراض شکل میں دنیا کے سامنے پیش کر دینے کا نام تاریخی تحقیق تو ہو نہیں سکتا البتہ اس کو تاریخ کا بگاڑ اور تاریخ نویسی کا فساد ضرور کہا جاسکتا ہے۔ جب اس آزادانہ طریقے سے جس میں صحافتی دیانت و امانت کا پاس و لحاظ بھی نہ رکھا گیا ہو مرتب کردہ تاریخی واقعات کا یہ مجموعہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں دیدیا جائے گا جن کی عملی دسترس مودودی صاحب کی کتابوں اور رسائل تک ہی محدود ہے تو پھر ان کے اندر حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما جیسے بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق کیسے کیسے گمراہ کن خیالات پیدا ہوں گے اس کا اندازہ ہر سمجھدار آدمی آسانی سے لگا سکتا ہے۔

اہل سنت کا اصول :

اہل سنت کے اصول کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن ظن ہی نہیں حسن عقیدت رکھنا اہل سنت کا شعار اور ان کا امتیازی نشان ہے، صحابہ کرام کی عدالت اور ان کی پاکیزگی سیرت اور بے لاگ اوصاف و کردار کی گواہی کتاب الہی اور زبان نبوی ﷺ نے

دی ہے۔ ان حضرات کے بارے میں ایسے تاریخی بیانات اور بے سروپا روایات کو جن سے ان کی سیرت و کردار پر حرف آتا ہو اور ان کی پاکیزہ اسلامی زندگی و انداز قرار پاتی ہو ہرگز قابل قبول نہیں قرار دیا جاسکتا، جس طرح انبیاء علیہم السلام کی عصمت اور پاکیزہ سیرت و کردار کے جو نقوش قرآن و حدیث سے ثابت ہیں اور وہ ہمارے ایمان کا جزو قرار پا چکے ہیں، ان کے خلاف تاریخ کے بیانات پر ہرگز اعتما نہیں کیا جاسکتا۔

کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“:

اس کتاب کے مؤلف محمود احمد عباسی صاحب نے بھی مودودی صاحب کی طرح بے لاگ تحقیق و ریسرچ کی آڑ میں اہل سنت کے مسلمہ عقائد و نظریات کو بد لئے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے اور بہت سے مسلمہ اسلامی عقائد، ظہور مہدی اور نزول عیسیٰ علیہ السلام اور خروج دجال وغیرہ سے بھی ان کو انکار ہے اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ السلام و اہل بیت کے موضوع اور جعلی و مہمل کہنے میں بھی وہ بڑے جری اور بے باک ہیں۔

اس طرح عباسی صاحب کی اس تاریخی ریسرچ کے نام پر انکار حدیث، مرزائیت، خارجیت وغیرہ بہت سے فتنوں کی پشت پناہی کا کام انجام پا رہا ہے، چونکہ کسی بھی باطل فرقہ کا مقصد اسلام کی قابل اعتماد ہستیوں اور معیاری شخصیتوں پر تنقید کر کے ان کو غیر معتبر قرار دینے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اس لیے عباسی صاحب نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا اور اپنے مشن کی کامیابی کے لیے اہل بیت عظام کو اپنی تنقید کا ہدف بنانا ضروری سمجھا، جس طرح مودودی صاحب نے خلیفہ ثالث حضرت عثمان اور دوسرے بعض اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر الزام تراشی کر کے حمایت و رافضی کی خدمت انجام دی ہے، اسی طرح اس کے بالمقابل عباسی صاحب نے خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بعض اہل بیت کو اپنے تیر و نشر اور طعن و تشنیع کے لیے منتخب کر کے تائید و خوارج کا حق ادا کیا ہے۔

مسلك اہل سنت :

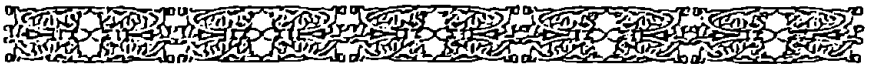
اہل سنت کے نزدیک حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت حقہ اور خلافت راشدہ موعودہ تھی جس طرح حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی شان میں کسی طرح کی سوء ظنی اور ان حضرات ثلاثہ کی خلافت کی حقانیت کے بارہ میں کسی قسم کا شک و شبہ پیدا کرنے کی کوشش کرنا مردود اور رفض و شیعیت کا شعار ہے اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے بارہ میں کسی کی تنقیض کا پہلو نکالنا ناقابل برداشت اور مسلك اہل سنت سے خروج ہے۔

حضرت علیؑ کی خلافت اور عباسی صاحب کا موقف :

اہل سنت کے اس مسلك کے برعکس عباسی صاحب کا موقف یہ ہے کہ جس سے انہوں نے اپنی اس کتاب کی ابتدا کی ہے کہ حضرت علیؑ کا خلافت قبول کر لینے کا اقدام ہی درست نہیں تھا اور صحیح طور پر ان کی خلافت کا انعقاد ہی سرے سے نہیں ہوا تھا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”یہ بیعت چونکہ بلوایوں اور قاتلوں کی تائید بلکہ اصرار سے ہوئی تھی اور یہ خلافت ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے محبوب خلیفہ راشد کو ناحق قتل کر کے سبائی گروہ نے اپنے اثر سے قائم کی تھی..... نیز قاتلین سے قصاص نہیں لیا گیا تھا جو شرعاً واجب..... تھا ا کا بر صحابہ رضی اللہ عنہم کی اکثریت نے جو مدینہ میں موجود تھی بیعت کرنے سے گریز کیا..... عظمائے ملت دار باب حل و عقد نے بیعت نہیں کی۔ (طبری و محاضرات الحضری، خلافت معاویہ و یزید: ص ۵۳)

اور عباسی صاحب نے اس کا ذکر کرنے کے بعد کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے (حضرت علیؑ کو بیعت لینے سے) منع کیا اور کہا کہ ”گھر میں بیٹھ رہیں یا اپنی



جاگیر بیوع چلے جائیں“ (خلافت: ص ۵۲) نیز لکھا ہے:

”مگر افسوس حضرت موصوف نے اپنے بھائی کا مشورہ قبول نہ فرمایا اور بیعت

لے لی۔“ (خلافت: ص ۵۲)

عباسی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور کے حالات و اختلافات کو ایسے انداز سے بیان کیا ہے کہ سبائی مفسدوں کے ساتھ ان کی ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی آپڑتی ہے، اس کے علاوہ انہوں نے یہ تاثر دینے کی بھی کوشش کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس وقت جتنے بھی مسلمان تھے وہ گویا سب کے سب سبائی تھے اور ان کے اثر سے ہی یہ خلافت قائم ہوئی تھی اگر باب حل و عقد نے ان سے بیعت نہیں کی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سبائیوں کے ایک مجبور قسم کے آلہ کار تھے، چنانچہ عباسی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مجبور آلہ کار ہونے کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

”سبائیوں کی من مانی کاروائیاں دیکھ کر کہ وہ جو چاہتے ہیں کسی نہ کسی حیلے

بہانے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کرا لیتے ہیں ان کے بعض عزیز و اقارب بھی

بیزار ہو گئے۔“ (خلافت: ص ۵۹)

اور آگے لکھا ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برادر بزرگ حضرت عقیل کی دور بین نگاہوں نے اس

صورت حال کا جائزہ لے لیا تھا اور وہ سمجھ گئے تھے کہ ان کے بھائی کے

گرد و پیش جو لوگ سبائی پارٹی کے ہیں وہ ملت کا بیڑا غرق کیے بغیر نہ رہیں

گئے۔“ (خلافت: ص ۵۹)

پھر انہیں حضرت عقیل کو صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف دوسرے کمپ میں

دکھلا کر عباسی صاحب لکھتے ہیں:

”انہوں نے اپنے بھائی کے ساتھ وفاداری اسی میں سمجھی تھی کہ ان کی سیاست پر جو لوگ مستولی ہیں وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچیں۔“ (خلافت: ص، ۵۹)

.....مسلمک اہل سنت سے انحراف :.....

خلافت راشدہ کے چوتھے ستون خلیفہ راشد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارہ میں عباسی صاحب کا یہ نقطہ نگاہ کہ یہ خلافت اہل حل و عقد کی بیعت سے محروم رہی اور یہ اس وجہ سے منعقد ہی نہیں ہوئی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کو غلط باور کرانے کی کوشش کرنا مسلمک حقہ اہل سنت والجماعت سے انحراف اور خروج کے مترادف ہے اور تاریخی حیثیت سے بھی مسئلہ کا یہ انتہائی جانبدارانہ بلکہ معاندانہ اور غیر حقیقت پسندانہ غلط جائزہ ہے، معلوم نہیں عباسی صاحب نے کن خارجی اثرات سے متاثر ہو کر حقائق سے چشم پوشی کا یہ رویہ اختیار کیا ہے؟ ایک خلیفہ راشد کی تنقیص شان میں جو انداز عباسی صاحب نے اختیار کیا ہے وہ ہرگز اہل سنت کا مسلمک نہیں ہے، محمود احمد عباسی نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مقصدت کا جو تصور اپنے ناظرین میں قائم کرنا چاہا ہے وہ یہ ہے کہ موصوف کی خلافت سبائی گروہ کے غلبہ اور اثر سے قائم ہوئی تھی اور وہی سبائی گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیاست پر غالب اور مستولی تھا اور جو چاہتا ان سے کروالیتا تھا، گویا حضرت موصوف سبائی گروہ کے عزائم کی تکمیل کے لیے آلہ کار تھے، اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی اکثریت اور ارباب حل و عقد نے ان سے بیعت نہیں کی تھی، اس کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ عباسی صاحب کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت شرعی طریقہ سے منعقد نہیں ہوئی تھی بلکہ سبائی گروہ کے غلبہ کا نتیجہ تھی خلافت راشدہ کے متعلق اس قسم کے تصور کی مسلمک اہل سنت میں ہرگز گنجائش نہیں ہے

.....عباسی صاحب کی مغالطہ انگیزی :.....

عباسی صاحب نے ”عرض مؤلف طبع سوم“ میں بعض علیگ اور ایڈووکیٹ نیز بعض جے پوری و بدایونی احباب کی توجہ فرمائی کہ لائق شکر قرار دیتے ہوئے مغالطہ انگیزی

کے لیے لکھا ہے:

”یہ سطریں لکھتے وقت ایک ایسے محبت قوم گئی یاد آ رہی ہے جو اس کتاب کے بڑے قدردان تھے اور بڑے معاون بھی یعنی سردار احمد خان پتانی مرحوم و منفور صدر تنظیم اہل سنت جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان..... مخدوم منظور احمد شاہ (قادر پور راں ضلع ملتان) کی امداد کا جو دوسری جلد کی طباعت کے بڑے خواہش مند ہیں شکریہ واجب ہے۔“ (خلافت: ص ۳۳)

اور اس سے یہ تاثر دینا چاہا ہے کہ سردار احمد پتانی مرحوم و منفور وغیرہ مسلک اہل سنت کے یہ خادم اور مبلغ بھی خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں عباسی صاحب کے خارجیانہ انداز فکر کے ہموار موصوف کی انتہا پسندی کو حق بجانب سمجھتے ہیں حالانکہ مسلک اہل سنت کے خلاف عباسی صاحب کے اس نظریہ کی اہل سنت کا کوئی ادنیٰ فرد بھی تائید و حمایت نہیں کر سکتا۔

ایک تائیدی رائے پر تبصرہ :

عباسی صاحب نے اپنی کتاب کی تائید میں یہ رائے بھی نقل کی ہے کہ:

”کتاب عقائد و مناظرہ کی ہرگز نہیں ہے اس کو کتاب الحرب سمجھنا یا اس کو حرب عقائد کا اکھاڑہ بنالیمانہ صرف کتاب کی روج پر بلکہ خود اپنی قوت نقد و نظر پر بھی ظلم کرنا ہے اس کا دائرہ بحث و نظر تمام تاریخی ہے“

(صدق جدید، خلافت: ص ۲۰)

معلوم ہوتا ہے کہ اکثر لوگوں نے اس کتاب کا سرسری نظر سے مطالعہ کیا ہے اس لیے اس کی صحیح حیثیت ان پر واضح نہیں ہو سکی اور انہوں نے اس کو ایک تاریخی بحث سمجھ لیا حالانکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تنقید کرنا اور مسلک اہل سنت کے متفقہ عقیدہ خلافت راشدہ کی حقانیت کی اساس و بنیاد کو متزلزل کرنے کی کوشش کرنا اور ملت اسلامیہ کی

مقدس ہستیوں کو مورد الزام اور ہدف مطاعن ٹھہرانا کسی طرح بھی صرف تاریخی بحث و نظر کے دائرہ میں نہیں آتا اور مسلک اہل سنت کی رو سے خلافت راشدہ پر عدم اعتماد اور تنقید کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک نظریاتی کتاب ہے اس میں عباسی صاحب نے تاریخی تحقیق و ریسرچ کی آڑ لے کر عقائد اہل سنت کو مجروح کرنے کی پوری کوشش کی ہے، سطح بین لوگوں نے صرف اس کی تاریخی روایات پر نظر کی اور اس کو عقائد و مناظرہ کی کتابوں سے خارج سمجھ کر اس کے کتاب الحرب ہونے کی نفی کر دی، مگر یہ ایسے لوگوں کی ظاہر بینی کا نتیجہ ہے، حقیقت بینی اور گہری نظر سے کام لیا جائے تو صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ عباسی صاحب نے اس کتاب میں اپنے خاص نظریہ کے مطابق اپنی پسند کی تاریخی روایات کو جمع کر کے خارجی مکتب فکر کی ہمنوائی کی ہے اور ان کی اس تمام تر بحث و نظر میں خارجیانہ طرز فکر کام کر رہا ہے اور اس کتاب کے تاریخی ڈھانچہ اور قالب میں اس کی یہی روح پنہاں اور مستور ہے، اس لیے اس کتاب کی روح پر نقد و نظر کرنا ظلم نہیں ہے بلکہ نئی نسلوں کو اس سے متاثر ہوتے ہوئے دیکھ کر اس کا شکار ہونے کے لیے چھوڑ دینا یہ اس نئی نسل پر ظلم کے مترادف ہوگا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد کے خلاف پروپیگنڈا :

محمود احمد عباسی نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خلاف پروپیگنڈا کر کے ناظرین کے دلوں میں جو خارجیانہ تصورات قائم کرنے کی با محمود کوشش کی ہے اس کو حقیقت واقعہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور یہ کہنا حقیقت پسندی کے قطعاً خلاف ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سبائی گروہ کی پیداوار ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مہاجرین و انصار اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اصرار پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داریوں کا بوجھ برداشت کرنا قبول فرمایا تھا جیسا کہ آگے آنے والی تفصیلات سے معلوم ہوگا۔

انتخاب خلافت کا ایک طریقہ مجلس شوریٰ کا قیام ہے کہ خلیفہ وقت اس معاملے کو

شرائط خلافت کی ایک جامع جماعت کے سپرد کر دے کہ اس جماعت میں سے جس کو اہل مشورہ منتخب کر لیں وہی خلیفہ ہوگا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انتخاب خلیفہ کے لیے اسی طریقہ کو اختیار فرمایا اور درج ذیل چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک مجلس شوریٰ قائم فرمائی تھی، حضرت عثمان، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان میں سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہو گئے تھے اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا حق سپرد کر دیا تھا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل بنا دیا تھا۔

اب منتخب ارکان میں سے صرف تین حضرات انتخاب خلافت کے حق دار رہ گئے تھے مگر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بھی یہ فرما کر کہ میں خلافت کا خواہش مند نہیں ہوں، خود کو خلافت کے حقداروں سے علیحدہ کر لیا تھا، اس لیے اہل حل و عقد کے اجماع سے اب خلافت کے حق دار صرف حضرت عثمان اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی رہ گئے تھے، یہ دونوں حضرات تاحین حیات خلافت کے حق دار تھے اور اب جب کبھی بھی ان سے بیعت لی جاتی اس کے وہ مستحق تھے اور ان کی بیعت و خلافت اسی مجلس شوریٰ کی منتخب شدہ خلافت قرار پائے گی۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اکثریت کی خواہش پر انتخاب خلافت کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مقدم رکھے گئے اور سب نے اس انتخاب کو قبول کیا، لیکن عبداللہ بن سبأ کا گروہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بعض واقعات کو غلط رنگ میں پیش کرتا رہا، آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ بلوایوں نے مکان کا محاصرہ کر کے خلیفہ برحق کو ظلماً شہید کر دیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

خلیفہ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مہاجرین اور انصار اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اصرار پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت خلافت لی تھی جیسا کہ ذیل کے

حوالجات سے واضح ہو رہا ہے۔

مذاہب عربیہ میں داخل نصاب شرح عقائد نفی میں ہے:

”فاجتمع كبار المهاجرين والانصار على علي عليه السلام والتمسوا منه قبول
الخلافة وبايعوه لما كان افضل اهل عصره واولهم بالخلافة“۔

(ص ۱۰۵)

پس جمع ہوئے اکابر مہاجرین اور انصار حضرت علی عليه السلام کے پاس اور ان
سے خلافت قبول کرنے کی درخواست کی اور آپ سے بیعت کی کیونکہ آپ
اپنے معصروں میں سب سے افضل اور سب سے زیادہ خلافت کے حقدار
تھے۔

”شرح فقہ اکبر“ میں علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے خلافت علی کا جو نقشہ پیش
کیا ہے وہ بھی توجہ کا محتاج ہے فرماتے ہیں:

”فعرضوا للخلافة على عليه السلام فامتنع عليهم واعظم قتل عثمان
ولزم بيته ثم عرضوها بعده على طلحة رضي الله عنه فابى ذلك
وكرهه، ثم عرضوها على الزبير رضي الله عنه فامتنع ايضاً اعظماً
لقتل عثمان فلما مضت ثلثة ايام من قتله اجتمع المهاجرون
والانصار وسألوا علياً وناشدوه بالله في حفظ الاسلام وصيانة
دار هجرة للنبي صلى الله تعالى عليه وعلى آله وسلم فقبلها بعد
شلة وبعثان رآه منصلحة لعلمهم وعلمه انه اعلم من بقى من
الصحابه وافضلهم واولهم به فبايعوه (شرح فقہ اکبر ص ۶۷ قدیمی کتب خانہ)
انہوں نے خلافت کو حضرت علی عليه السلام پر پیش کیا تو حضرت عثمان عليه السلام کے سانحہ
قتل کو عظیم قرار دیتے ہوئے خلافت کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور گھر



میں گوشہ نشینی اختیار کر لی، پھر اس کو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ پر پیش کیا تو انہوں نے بھی انکار کیا اور اس کو مکروہ سمجھا، پھر اس کو پیش کیا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر انہوں نے بھی قتل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سانحہ عظیمہ کی وجہ سے انکار کر دیا۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کو تین دن گزر گئے تو مہاجرین اور انصار نے جمع ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خلافت کے قبول کرنے کی التجاء کی۔ اور انہوں نے اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دارالہجرت کی حفاظت اور بچاؤ کی سخت مطالبہ کے بعد اس میں مصلحت دیکھتے ہوئے اس کو قبول فرمالیا۔ اور یہ جانتے ہوئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ باقی ماندہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ علم والے سب سے افضل اور امور خلافت میں سب سے زیادہ لائق ہیں آپ سے سب نے بیعت کر لی۔

”صواعق محرقة“ میں علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”فقال علی لیس ذلک الیکم انما ذلک الی اهل بدر فمن رضی به اهل بدر فهو خلیفہ فلم یبق احد من اهل البدر الا اتی علیہ فقالوا لانری احدا حق لہامنک فمد یدک نبایعک فبايعوه“ (صواعق: ۷۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انتخاب خلیفہ تمہارا کام نہیں ہے، یہ کام اہل بدر کا ہے وہ جس کو منتخب کر لیں وہی خلیفہ ہے۔ اہل بدر میں سے کوئی باقی نہیں رہا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس نہ آیا ہو۔ انہوں نے کہا ہم آپ سے زیادہ اور کسی کو حق دار نہیں دیکھتے آپ اپنا ہاتھ پھیلائیں ہم آپ سے بیعت کریں پھر ان سب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی۔

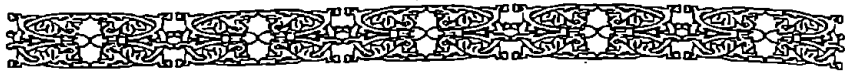
پیش نظر حوالجات اور ان جیسے اور بہت سے حوالوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد کی اصلی صورت واقعہ سامنے آ جاتی ہے اور ایک ایسا شخص جس کے دماغ

میں خارجیت کا سودا خام نہ پک رہا ہو اس حقیقت کے پالنے میں کامیاب ہو سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت بلوایوں کے اثر سے قائم نہیں ہوئی تھی بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی منتخبہ مجلس شوریٰ کے رکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام اہل بدر اور مہاجرین و انصار نے اس وقت سب سے زیادہ افضل اور حق دار سمجھ کر ان سے بیعت کی تھی اور اس استحقاق اور اہل حل و عقد کے بیعت کر لینے سے ان کی خلافت قائم ہوئی تھی اور بلوایوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر صاف جواب دے دیا تھا کہ انتخاب خلیفہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مجلس شوریٰ کے ارکان میں سے اگرچہ حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے مگر یہ دونوں حضرات حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے حق میں پہلے سے ہی دستبردار ہو چکے تھے اس لیے اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سب سے زیادہ خلافت کے حق دار تھے اور مہاجرین و انصار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت لے کر اس وقت کے سب سے زیادہ حق دار کو خلافت کا حق پہنچایا تھا۔

ان حقائق اور اصل صورت و اقعہ سے چشم پوشی کر کے عباسی صاحب کا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارہ میں یہ پروپیگنڈا کرنا کہ ”اکثر اکابر صحابہ اور اہل حل و عقد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت نہیں لی تھی اور اس طرح یہ خلافت راشدہ قائم ہی نہیں ہوئی تھی بلکہ بلوایوں اور باغیوں کے ٹولہ کے عزائم کی تکمیل کا آلہ کار ہونے کی حیثیت سے یہ خلافت قائم ہوئی تھی“ مسلک اہل سنت کی ترجمانی نہیں بلکہ اس کو خارجیانہ ذہن کی پیداوار اور مذہب خوارج کی عکاسی اور تصویر کشی کہا جائے گا۔

اور ان کے اس ذہنی مرض خروج اور خوارج کی تائید کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی اس کتاب میں مذہب خوارج کی ترجمانی کرنے کے لیے ”خلافت سے معزولی اور شہادت“ کا عنوان قائم کر کے تحریر کیا ہے کہ:



”ہالٹوں نے اتفاق رائے سے حضرت علیؓ کو منصب خلافت سے معزول کر کے نئے خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ اہل حل و عقد کے مشورہ پر منحصر کیا“ الخ
(خلافت ص ۶۳)

ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت سے معزولی کا نظریہ ہرگز اہل سنت کے مسلک حق کے موافق نہیں ہے یہ سب خوارج کے ہذیانات میں سے ہے۔
.....دوسرا پروپیگنڈا:

حضرت علیؓ کی خلافت کو غیر شرعی حیثیت میں پیش کرنے کے لیے عباسی صاحب نے اپنی اس کتاب میں دوسرا پروپیگنڈا یہ کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے باوجود قدرت کے قاتلین سے قصاص نہیں لیا تھا، حالانکہ ان سے قصاص لینا واجب تھا۔ لکھتے ہیں:

”قاتلین عثمان جو خانہ جنگیوں میں نمایاں حصہ لے رہے تھے حضرت علیؓ باوجود قدرت کے قصاص نہ لے سکے تھے“۔
(خلافت ص ۶۲)

حالانکہ اس صورت میں قاتلین عثمانؓ کے بارہ میں حضرت علیؓ کا طرز عمل اہل سنت کے نزدیک بالکل درست اور صحیح تھا کیونکہ حالت ایسی تھی کہ قاتلین اور سازش قتل میں شریک لوگوں کا تعین شہادتوں کے ذریعہ امر مشتبہ کی حد سے آگے نہیں بڑھتا تھا اور یقینی تعین کے بغیر قصاص لینے کی کوئی صحیح صورت نہیں بن سکتی تھی، اسی وجہ سے حضرت علیؓ نے قصاص میں تاخیر فرمائی تھی۔

حضرت ملا علی قاری حضرت علی مرتضیٰؓ کے اس عمل کی توجیہ فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”ومین یری الباغی مواخذاً بذلك فانما يجب علی الامام استيفاء ذلك منهم عند انكسار شوكتهم وتفرق منعتهم ووقوع الامن له علی

اثارة الفتنة ولم يكن شيء من هذه المعاني حاصلًا بل كانت الشوكة لهم
 باقية باقية والمنعة قائمة جارية وعزائم القوم على الخروج على من
 طال بهم بدمه دائمة ماضية وعند تحقق هذه الاسباب يقتضى
 التدبير الصائب الاغماض منهم والاعراض عنهم (شرح فقہ اکبر ص ۸۱)

اسی لیے حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما وغیرہ طالبین قصاص کا موقف محققین
 اہل سنت کے نزدیک خطا و اجتہادی پر محمول ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے بھی ”ازالۃ الخفاء“ میں حضرت علی رضی اللہ
 کی خلافت کا انعقاد ثابت کرتے ہوئے طالبین قصاص کو مجتہد قحطی قرار دیا ہے اور یہی اہل
 سنت کا مسلک حق ہے اور حق کے بعد سوائے ضلالت اور گمراہی کے اور کیا ہے۔

لیکن اس کے باوجود ان میں سے کسی پر طعن کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ یہ
 حضرات بھی اہل اجتہاد تھے اور بروئے حدیث اجتہادی خطا پر مواخذہ نہیں بلکہ مجتہد قحطی
 بھی اجر و ثواب کا مستحق ہے۔ اگرچہ مجتہد مصیب دوہرے اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔
 ”نبراس“ شرح ”شرح عقائد نسفی“ میں ہے:

”وقال اهل السنة كان الحق مع علي وان من حاربه مخطئ في
 الاجتهاد فهو معذور وان كلاما من الفريقين عادل صالح ولا يجوز
 الطعن في احد منهم للاحاديث المشهورة في مدح الصحابة والنهي
 عن سبهم وهذا هو الحق فماذا بعد الحق الا الضلال“۔ (ص ۵۰۴)

اہل سنت کے نزدیک حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا ان سے جنگ
 کرنے والوں کے ہے اجتہادی غلطی ہوئی اس لیے وہ معذور ہیں اور بے
 شک دونوں فریق نیک اور عادل تھے کسی پر اعتراض جائز نہیں، احادیث
 مشہورہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف اور ان کو برا کہنے سے ممانعت کا تقاضہ

یہی ہے، یہی حق ہے اس کے علاوہ سوائے گمراہی کے کچھ نہیں۔

”والمجمل انهم كانوا يطلبون الحق ولكن يصيب بعضهم في الاجتهاد ويخطئ بعضهم والمخطئ في الاجتهاد غير ما خوذ بل ماجور۔“
(۵۵۰)

خلاصہ یہ کہ یہ حضرات طالب حق تھے لیکن بعض حضرات اجتہاد میں صواب پر تھے اور بعض خطا پر، اجتہاد میں خطا ہونے والوں پر بھی مواخذہ نہیں مل کہ وہ بھی ماجور ہیں۔

حضرت علی کی خلافت راشدہ کے بارہ میں جن خیالات کا اظہار عباسی صاحب نے اپنی اس تحقیق میں کیا ہے اس کو تاریخی تحقیق کے بجائے خارجیوں کے پروپیگنڈے کا نام دینا زیبا ہے۔

اہل حل و عقد کا ان سے بیعت نہ کرنا عالیشانوں کا ان کو معزول کر دینا وغیرہ نیز سبائیوں کی کاروائیوں کا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ہی ذمہ دار قرار دینا، یہ نہ تو خلافت راشدہ کی شان ہو سکتی ہے اور نہ ہی یہ اہل سنت والجماعت کا مسلک کہلایا جاسکتا ہے، یہ صرف اہل بیت کے مخالفین اور خلافت راشدہ کے خلاف پروپیگنڈا کرنے والوں کے غلط خیالات ہیں جن کی وکالت کا حق ادا کرنے کے لیے عباسی صاحب نے اس کتاب کو تاریخی تحقیق و ریسرچ کے نام پر پیش کیا ہے اور اس پوری کتاب میں عباسی صاحب کی یہی خارجیانہ ذہنیت کام کر رہی ہے۔

حضرت حسینؑ اور یزید کے بارہ میں عباسی صاحب کا رویہ :

خليفة راشد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں تو آپ نے عباسی صاحب کا رویہ ملاحظہ کر لیا اب حضرت حسینؑ اور یزید کے بارہ میں ان کا رویہ ملاحظہ ہو۔

یزید کی مدح سرائی اور اس کے فضائل و مناقب کے بیان کرنے میں تو عباسی

صاحب ہر رطب و یابس کو قبول کر لیتے ہیں پھر نہ وہ اس کے راویوں کے عادل و ثقہ ہونے کی ضرورت سمجھتے ہیں اور نہ ہی اس کے مفہوم و مراد کے متعین کرنے میں الفاظ کی دلالت کا لحاظ رکھنے کی ضرورت ان کے خیال میں رہتی ہے، لیکن سیدنا حسین ؑ کی مدح و ستائش پر وہ اس طرح چھین بجبین نظر آتے ہیں جیسے ان کے گھر سے کچھ جارہا ہو اور دروازہ کا رقیاس آرائیوں سے کام لے کر اس مدح و ستائش کا ایک ایک حرف، حرف غلط کی طرح مٹا دینے کی کوشش میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

یہ وہ اصولی معیار ہے جس پر حضرت حسین ؑ اور یزید کے معاملہ میں عباسی صاحب کی اس تحقیق و ریسرچ کو جانچا جاسکتا ہے، عباسی صاحب کی یہ پوری کتاب اس دو طرفہ متضاد قسم کی انتہا پسندی سے بری طرح متاثر نظر آتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ عباسی صاحب نے یزید کے بارہ میں پہلے یہ نظریہ قائم کر لیا ہے کہ یزید ایک پرہیزگار اور متقی خلیفہ وقت تھا پھر اس نظریہ کی تائید میں جس جگہ سے بھی کچھ پکی روایت سے قطع نظر یزید کی تعریف و منقبت میں کوئی جملہ ان کو نظر آیا انہوں نے اسے غنیمت سمجھ کر حاصل کر لیا اور اسی عبارت میں جو جو جملے ایسے نظر آئے جن سے اس کی مقصود اور جھوکا پہلو واضح ہو رہا تھا عباسی صاحب نے تحقیق و ریسرچ کا حق ادا کرنے کے لیے ایسے جملوں کو حذف کر دیا، مگر حضرت حسین ؑ کے بارہ میں عباسی صاحب کا ذہن بالکل دوسری طرح سوچتا ہے اس کا اندازہ ذیل کی مثالوں سے کیا جاسکتا ہے۔

مثلاً ایک جگہ حضرت حسین ؑ کے نام ابو جحف کی روایت سے حضرت عبداللہ بن جعفر کی ایک تحریر کا ذکر کر کے جس میں آپ کو ”نور الاسلام“ کے لفظ سے یاد کیا گیا تھا لکھتے ہیں:

”طبری نے ”نور الاسلام“ کے بجائے ”نور الارض“ کے الفاظ لکھے ہیں، بہر

کیف ”نور الاسلام“ کے لفظ ہوں یا ”نور الارض“ کے یہ فقرے ان راویوں

کے وضعی ہیں اور خاص ذہنیت کے ترجمان۔“

پھر اس پر زور لگاتے چلے گئے ہیں کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی ذمہ دار آدمی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ سے یاد کرے، جو باعتبار معنی و مطالب حقیقت سے بعید ہیں۔

حالانکہ ایسے ہی مشتبہ راویوں سے وہ یزید اور اس کے حامیوں کو فائدہ پہنچانے والی ایسی تحریروں کو بے چون و چرا تسلیم کرانا چاہتے ہیں جن کے اندر وضعیت کی صریح شہادتیں موجود ہیں۔

”البدایہ والنہایہ“ وغیرہ میں مروان کا ایک خط منقول ہوا ہے جو روایت کے مطابق حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قصد کوفہ کے بعد ابن زیاد کو لکھا گیا تھا کہ :

”فایاک وان تهیج علی نفسك ما لا یسده شیء ولا تنسأه العامة ولا تدع ذکره آخر الدهر۔“

خبردار تم کوئی ایسا معاملہ نہ کریٹھنا جس کا مداوانہ ہو سکے جسے عوام کبھی بھلا نہ سکیں اور زہتی دنیا تک جس کا ذکر نہ چھوڑیں۔

اس کو نقل کر کے عباسی صاحب لکھتے ہیں کہ:

”اس مکتوب کے الفاظ ہی ظاہر کر رہے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ذات سے حضرت مروان کو کیسی کچھ الفت تھی اور کیسی آرزو کہ اس خطرناک سفر میں ان کا بال بیکانہ ہونے پائے، یہ وہی مروان ہیں جن کے متعلق وضاعین نے اتہام لگایا ہے“ الخ (خلافت ص ۱۹۸)

اس خط کے الفاظ اپنی وضعیت کا آپ ثبوت ہیں مگر عباسی صاحب نے مروان کی صفائی کے لیے پورے شرح صدر کے ساتھ اس کو استعمال کیا ہے۔ حالانکہ یہی الفاظ اگر مروان کی صفائی کا فائدہ نہ دے رہے ہوتے اور ان سے صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مدح ہو رہی ہوتی تو یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن جعفر کے خط کی طرح

اس خط کی بھی دھجیاں بکھیر دینے کے لیے پورا زور صرف کر دیتے۔

اس ریسرچ کا عام اصول :

عباسی صاحب کی ریسرچ کا یہ عام اصول ہے کہ اپنے مقصد کے خلاف جس تاریخی روایت پر وہ کوئی معقول جرح نہیں کر سکے اس کو بغیر دلیل کے وضعی کہہ کر بے دھڑک رد کر ڈالتے ہیں۔

محض احتمالات اور ظلیات سے استدلال :

اسی طرح ذہنی جنبہ داری کے ماتحت عباسی صاحب اپنے دعویٰ کی دلیلوں میں مخالف احتمال کو بالکل نظر انداز کر جاتے ہیں اور محض ظلیات سے اس طرح استدلال کرتے ہیں جیسے کہ ان کے استدلال کی بنیاد قطعی ہے۔

مثال نمبر (۱)

حضرت محمد بن حنفیہ کے یزید سے بیعت کر لینے اور حضرت حسین ؑ کا ساتھ نہ دینے کو عباسی صاحب نے اپنے اس دعویٰ کے لیے کھلا ثبوت قرار دیا ہے کہ ”حضرت حسین ؑ کا یزید کے خلاف یہ اقدام مقتضیات زمانہ اور احکام شرع کے اعتبار سے جائز اور مناسب نہ تھا۔“ (ص ۱۳۸)

حالانکہ اس واقعہ میں اس دعویٰ کا ذرا بھی کھلا ہوا ثبوت نہیں ہے کیونکہ اس اقدام میں جن حضرات نے حضرت حسین ؑ کا عملاً ساتھ نہیں دیا اس کی یہ وجہ متعین نہیں ہے کہ وہ اس اقدام کو ناجائز سمجھتے تھے بلکہ اس میں دوسرا احتمال بھی ہے (جیسا کہ آگے آ رہا ہے)۔

مثال نمبر (۲)

اسی طرح حضرات صحابہ کرام ؓ کا موقف بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”ان میں سے کسی نے حضرت حسین ؑ کا ساتھ نہیں دیا“ اور اس کو بدیہی دلیل قرار دیتے ہیں کہ ”نظام خلافت یا کردار خلیفہ میں کوئی ایسی خرابی اور خامی

نہ تھی جو خلیفہ کے خلاف خروج کو جائز کر دے۔“ (ص ۱۳۵) -
اور لکھتے ہیں:

”کردار خلیفہ (یزید) میں کوئی خامی یا برائی نہ تھی کہ اس کے خلاف خروج کا جواز نکالا جاسکتا“ (ص ۱۳۲) حالانکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کردار خلیفہ میں خامی یا برائی سب کچھ ہو مگر ممانعت خروج کی احادیث کے پیش نظر (جن کو عباسی صاحب نے بھی ذکر کیا ہے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ساتھ نہ دیا ہو۔ پھر اس نظام خلافت یا کردار خلیفہ میں کسی خامی یا برائی اور جواز خروج کی نفی پر دلیل بنانا کیسے درست ہو سکتا ہے؟۔

اس سے بھی بڑھ کر جس واقعہ میں عباسی صاحب کی مفروضہ بنیاد کے احتمال وامکان کی بھی ادنیٰ گنجائش نہیں پائی جاتی وہاں بھی وہ پورے وثوق و یقین کے ساتھ اس واقعہ کو اپنے مفروضہ کی بنیاد ٹھہرا لیتے ہیں اور اپنی مرضی کے موافق نتیجہ نکال لیتے ہیں۔
مثال نمبر (۳)

حضرت حسین کے دوسرے بھائی عمر الاطراف کے متعلق یہ بیان کر کے کہ وہ بھی حضرت حسین کے اقدام کے مخالف تھے پھر شیعہ مؤرخ و نساب مؤلف ”عمدة الطالب“ سے یہ نقل کر کے کہ جب شہادت حسین کی خبر آئی تو انہوں نے کہا ”انا الغلام الحازم ولو اخرجت معهم للذهب فی

المعركة وقتلت (خلافت معاویہ و یزید ص ۱۲۹) میں ایک عقل مند اور محتاط جوان ہوں اور اگر میں بھی ان کے ساتھ لکھا تو لڑائی میں شریک ہوتا اور مارا جاتا“ رقم طراز ہیں ”ظاہر ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے یہ بھائی بھی ان کے خروج کو طلب حکومت و خلافت ہی کا ایسا اقدام سمجھتے تھے جو کسی طرح جائز اور مناسب نہ تھا“۔

حالانکہ حضرت عمر الاطراف کے مذکورہ الفاظ کے بعد عباسی صاحب کے اس ظاہر کا ادنیٰ احتمال بھی باقی نہیں رہتا کیونکہ حضرت عمر الاطراف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کو صرف حزم و احتیاط کے خلاف قرار دے رہے ہیں نہ کہ ناجائز، لیکن عباسی صاحب اس کو اپنے مفروضہ کی بنیاد ٹھہرا رہے ہیں اور اپنی پسند کے موافق نتیجہ نکال رہے ہیں۔

..... مناقب یزید میں محویت :

عباسی صاحب نے مناقب یزید کے شمار کرنے میں اپنی محویت کی وجہ سے ایسی چیزوں کا بھی ذکر کر دیا ہے کہ جن سے کسی قسم کی منقبت ثابت نہیں ہوتی بلکہ وہ ان کی اپنی خوش فہمی ہوتی ہے، مثلاً عباسی صاحب نے مدینہ منورہ سے یزید کے انس و محبت کے ثبوت میں لکھا ہے کہ ”مدینہ طیبہ سے انس و محبت ہی کی وجہ سے اپنی شریک زندگی کے لیے وہاں کی دو خواتین کو اپنے حوالہ عقد میں لائے۔“ (ص: ۱۱۰)

اس واقعہ میں خواتین سے انس و محبت کے سوا اور کسی چیز سے انس و محبت کا ثبوت نہیں ہوتا جیسا کہ سلامہ نامی ایک مغنیہ کنیز کے واقعہ سے بھی جس کو خود عباسی صاحب نے بھی یزید کی منصف مزاجی کے عنوان سے لکھا ہے واضح ہو رہا ہے۔ اس واقعہ کا تذکرہ آگے آ رہا ہے یزید کے فضائل میں عباسی صاحب لکھتے ہیں:

”اپنے زمانہ خلافت میں امیر یزید ہمیشہ جامع مسجد دمشق میں نماز پڑھاتے خاص کر امیر المؤمنین کی حیثیت سے جمعہ و عیدین کی نمازوں کی تو ظاہر ہے کہ خود ہی امامت کرتے اور بعد اداء نماز وہیں مجلس علم منعقد کرتے“ (ص: ۹۲)۔

ان فضائل کے ثبوت میں ”منتخبات تاریخ الیمن“ کے حوالہ سے جو واقعہ انہوں نے لکھا ہے اس کے آخر میں یہ لفظ ہیں:

”ثم دخلوا مسجد دمشق يوم الجمعة على يزيد“ (ص: ۸۷)

پھر یہ لوگ جمعہ کے دن مسجد دمشق میں یزید کے پاس پہنچے۔

یزید کے لیے جمعہ وعیدین کی امامت کو تو عباسی صاحب نے صرف ظاہر ہے سے ہی ثابت کر کے دکھلانا کافی سمجھا، دوسرا کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکے، شاید ان کے نزدیک کسی نائب کا امامت کرنا درست ہی نہیں ہے اس لیے اس کا احتمال ہی ان کو نہیں ہوا۔ اول تو اس واقعہ میں جمعہ کے دن مسجد دمشق میں یزید کے پاس کچھ لوگوں کے پہنچنے کا ذکر ہے اس میں یزید کے نماز پڑھنے یا نماز پڑھانے کا کوئی ذکر نہیں ہے، یہاں تک کہ اس واقعہ میں اس کا بھی ذکر نہیں ہے کہ یہ لوگ نماز جمعہ کے بعد یزید کے پاس پہنچے تھے، صرف یوم الجمعہ کا ذکر ہے، اب اگر یزید کے جامع مسجد میں ہونے سے ہی اس کی امامت نماز اور مجلس علم منعقد کرنے کا ثبوت ہو جاتا ہے تو پھر بھی دوام اور ہیبت کی کا تو اس میں کوئی ادنیٰ سا اشارہ بھی نہیں پایا جاتا۔

عباسی صاحب نے خالد بن یزید کے علمی کمالات (کمیسٹری کی ایجاد) اور علمی شغف (یونانی اور مصری کتابوں کے ذخائر کی فراہمی، دارالترجمہ کی تاسیس اور تصنیف وغیرہ) کا ذکر کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے۔

اولاد میں علم و فضل کے حصول کی اس درجہ خواہش اور رتپ اپنے باپ ہی کی علمی مجالس اور گھر کے ماحول سے پیدا ہوئی جہاں اکثر قال اللہ وقال الرسول کی آوازیں آتی نہ کہ بقول کذا بین غنا و موسیقی کی۔

خالد کے دنیوی علوم و فنون کے ساتھ شغف کو قال اللہ اور قال الرسول کی آوازوں کا نتیجہ قرار دینا عباسی صاحب کا ہی کمال ہے۔ ورنہ کمیسٹری کی ایجاد اور یونانی کتابوں کے ذخائر کی فراہمی کو قرآن و حدیث کی آواز کا نتیجہ کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ اگر قرآن و حدیث کی آوازیں گھر کے ماحول میں ہوتیں تو علوم قرآن تفسیر و حدیث میں مہارت کی صورت میں اس کا نتیجہ لکنا قرین قیاس تھا نہ کہ یونانی علوم میں شغف کی صورت میں؟۔

محمود احمد عباسی صاحب کے پیش کردہ حوالوں کے آئینہ میں یزید کی صورت :
 یزید کی مدح سرائی اور مناقب خوانی میں اس قدر مبالغہ آرائی کرنے کے باوجود

محمود احمد عباسی صاحب نے خود بھی اپنی نئی کتاب میں ایسا مواد فراہم کر دیا ہے جس کے آئینہ میں یزید کی اصلی صورت اور اس کا غیر شرعی کردار نظر آ سکتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”سیرت یزید کے بارہ میں غیر مسلم مؤرخین و محققین کی رائیں ہی یقیناً آزاد ... اور بے لاگ رائیں ہو سکتی ہیں، ان غیر مسلم مؤرخین کے بعض اقوال یہاں نقل کرنے بے جا نہ ہوں گے۔“

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے لائق مقالہ نگار رقم طراز ہیں:

”یزید نہ تو غیر سنجیدہ اور بے ہودہ شہزادہ تھا اور نہ ایسا لالہ ابالی اور بے پرواہ حکمران جیسا ان مؤرخین نے بیان کیا ہے..... وہ خود شاعر تھا موسیقی کا ذوق رکھتا تھا، اہل ہنر اور شعراء کا قدردان اور ادب و آرٹ کا مربی اور سرپرست تھا۔“

(خلافت معاویہ و یزید ص ۳۷۵)

عباسی صاحب نے یزید کے غیر سنجیدہ اور بے ہودہ شہزادہ ہونے اور لالہ ابالی اور بے پرواہ حکمران ہونے سے متعلق مؤرخین کے بیان کے مقابلہ میں انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے غیر مسلم لائق مقالہ نگار کی رائے کو آزاد اور بے لاگ قرار دیا ہے۔ عباسی صاحب کے اس مسلمہ اور لائق مقالہ نگار نے سیرت یزید کی جو یہ صورت کشی کی ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ شاعر تھا اور موسیقی کا ذوق ہی رکھتا تھا بلکہ وہ ادب و آرٹ کا مربی اور سرپرست تھا، اس میں حقیقت کے متلاشی کو یزید کی صحیح صورت نظر آ سکتی ہے اور اس کا غیر شرعی کردار واضح ہو جاتا ہے اور عباسی صاحب کے اس دعویٰ کی حقیقت بھی آشکارا ہو جاتی ہے جو انہوں نے قال اللہ وقال الرسول کی آوازوں کے گونجنے کا کہا ہے اب یزید کے غنا اور موسیقی سے نہ دلچسپی اور شغف بلکہ اس فن شریف کی سرپرستی بھی عباسی صاحب کے مسلمہ و لائق مقالہ نگار کے مطابق ہو گئی یہ تو کذابین کی روایت نہیں ہے اس کو تو عباسی صاحب کو تسلیم کرنے سے انکار نہیں ہو سکتا۔

موسیقی شریعت کی نظر میں :

اب دیکھنا یہ چاہیے کہ شریعت مقدسہ کی نظر میں اس موسیقی کا ذوق اور ادب و آرٹ جس کی تربیت اور سرپرستی کا فرض یزید نے انجام دینا اپنے ذمہ لیا ہوا تھا اس کا کیا درجہ ہے:

”عن ابی امامۃ قال قال النبی ﷺ ان اللہ تعالیٰ بعثنی رحمۃً للعالمین وهدی للعالمین وامرنی ربی عزوجل بمحق المعازف والمزامیر والاولیٰ والصلب وامر الجاہلیۃ۔“ (مکملہ شریف)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمام عالم کے واسطے سبب رحمت اور رہنمائی کے لیے بھیجا ہے اور میرے رب عزت و بزرگی والے نے مجھے حکم دیا ہے باجوں اور مزامیر اور بتوں اور صلیب اور تمام رسومات جاہلیت کے مٹانے کا۔

موسیقی اور ادب و آرٹ کے آلات وغیرہ جن چیزوں کے مٹانے کا شریعت نے حکم دیا ہے ان کی سرپرستی کرنا اور ان کو رواج دینا کیا یزید کے فسق اور اس کی سیرت و کردار کی خرابی کا کھلا ثبوت نہیں ہے؟ اور کیا اس سے عباسی صاحب کے اس دعویٰ کی حقیقت واضح نہیں ہو جاتی کہ ”کردار یزید میں کوئی خرابی نہیں تھی جس سے اس کے خلاف خروج کا جواز نکالا جاسکتا۔“

منصف مزاجی :

عباسی صاحب نے اس عنوان کے تحت یزید کی منقبت کے ضمن میں غیر شعوری طور پر اس کی بھی نشاندہی کر دی ہے کہ یزید کے ارد گرد کس قسم کے آزاد منش لوگوں کا گروہ رہتا تھا اور وہ اس کو کس طرح حسن و جمال کا دلدادہ اور گانے بجانے والی لونڈیوں پر فریفتہ کرتا رہتا تھا، لکھتے ہیں:

”ابن کثیر نے سلامہ نامی ایک کنیز کا واقعہ بیان کیا ہے جو مدینہ منورہ کی رہنے والی حسن و جمال میں یکساں اور ہمہ صفت موصوف تھی، قرآن شریف اچھی

قراءت سے سناتی شاعرہ اور مغنیہ تھی..... اس کنیز کی امیر یزید سے بہت کچھ ثناء و صفت کر کے اس کی خریداری پر راغب کیا..... کنیز کے آقا سے خریداری کا معاملہ طے کر لیا گیا، کنیز مذکورہ مدینہ سے دمشق آ کر داخل حرم کی گئی اور دوسری کنیزوں پر اسے فوقیت حاصل ہوئی لیکن جب یہ راز فاش ہوا کہ یہ کنیز اور مدینہ منورہ کا ایک اور شاعر احوں بن محمد ایک دوسرے کے دام محبت میں گرفتار ہیں، امیر یزید نے احوں کو جو دمشق میں موجود تھا نیز سلامہ کو موابہ میں طلب کر کے تصدیق کی ان دونوں نے فی البدیہہ اشعار میں اقرار محبت کیا..... امیر یزید نے یہ حال دیکھ کر سلامہ کو احوں کے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا: اے احوں اب یہ (سلامہ) تمہاری ہے تم اسے لے لو پھر اسے اچھا انعام عطا کیا۔“

اس واقعہ کو نقل کر کے عباسی صاحب لکھتے ہیں:

”انصاف پسند طبیعت ہی کا تقاضا تھا کہ داخل حرم کرنے کے بعد بھی ان کے

جذبات محبت کا احترام کیا۔“ (خلافت معاویہ و یزید ص ۳۷۱)

مال و منال اور حسن و جمال میں سے سب سے زیادہ عورت کے دیدار ہونے کو ملحوظ رکھنے کی شریعت میں ہدایت کی گئی ہے کسی عورت کے حسن و جمال کو سن کر ہی اس کا طلبگار ہو جانا کیا کچھ کم معیوب تھا، اس سے بڑھ کر اس کا مغنیہ ہوتے ہوئے داخل حرم کر لینا تو آزمائش اور عیاش قسم کے لوگوں ہی کا طریقہ ہو سکتا ہے ایک متدین کیا بلکہ شریف آدمی کے لیے بھی یہ بات قابل شرم اور باعث ننگ و عار ہوتی ہے۔

جب ایک عورت مغنیہ ہونے کے ساتھ ہمہ صفت موصوف تھی، پھر کیسے ہو سکتا تھا کہ مغنیہ ہونے کے لوازم عشق و معاشقہ سے وہ محفوظ رہ سکتی یہ تو گویا غنا اور ادب و آرٹ کا خاصہ لازمہ ہے، اب اس پر قدغن لگانا اور تنبیہ و سرزنش کرنا امیر یزید کی اہل ہنر اور شعراء کی

قدردانی اور ادب آرٹ کے مربی اور سرپرست ہونے کے منصب کے خلاف ہوتا اس لیے امیر یزید نے اس غیر شرعی معاشرے پر سرزنش کرنے کی بجائے ان کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے حوصلہ افزائی اور قدردانی کو ضروری سمجھا اور اپنی داخل حرم عورت کو مزید انعامات کے ساتھ اس کے عاشق کے حوالہ کر دیا، عباسی صاحب محض حمایت یزید میں اس کو انصاف پسندی کا تقاضا کہہ کر انصاف کا خون کر رہے ہیں۔

یزید کے بارہ میں اکابر امت کی آراء :

(۱) فتح الباری اور قسطلانی میں طبری سے منقول ہے:

’ان یزید بن معاویۃ کان امر علی المدینۃ ابن عمہ عثمان بن محمد بن ابی سفیان فاوفد الی یزید جماعة من اهل المدینۃ منهم عبد اللہ بن غسیل الملائکۃ و عبد اللہ بن ابی عمرو والمخزومی فی آخرین فاكرمهم واجازهم فرجعوا فاظہروا عیہ ونسبوا الی شرب الخمر وغير ذلك“ (حاشیہ بخاری: ج ۲، ص ۱۰۵۳)

ترجمہ: یزید نے مدینہ پر اپنے چچا زاد بھائی عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو امیر مقرر کیا، پھر اس نے یزید کے پاس اہل مدینہ کا ایک وفد بھیجا جس میں غسیل الملائکہ کے بیٹے عبد اللہ اور عبد اللہ بن ابی عمرو مخزومی اور دوسرے لوگ تھے۔ پس یزید نے ان کا اکرام کیا اور ان کو عطیات دیے پھر جب وہ واپس مدینہ لوٹے تو انہوں نے یزید کے عیب ظاہر کیے اور اس کے افحال شراب پینے وغیرہ کا ذکر کیا۔

(۲) فتح الباری میں ہے کہ:

”قوله (ای ابی ہریرۃ) اعدو باللہ من رأس السنین وامارة الصبیان یشیر الی خلافة یزید بن معاویۃ فانہا کانت سنة ستین

واستجاب اللہ دعاء ابی ہریرۃ فمات قبلہا بسنة۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ارشاد کہ میں اللہ تعالیٰ سے بچوں کی امارت اور ۶۰ھ سے پناہ چاہتا ہوں، سے یزید کی خلافت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ ساٹھ ہجری میں امیر بنا، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا قبول فرمائی اور وہ ۵۹ھ میں ہی انتقال فرما گئے۔ (حاشیہ بخاری: ج ۱، ص ۲۳)

(۳) حافظ ابن کثیر مطاعن یزید سے متعلق چند روایات کی تردید کرنے کے باوجود فرماتے ہیں:

”وكان فيه ايضاً آقبال على الشهوات وترك بعض الصلوة في بعض الاوقات۔

واما تنهاني غالب الاوقات“ (البدایہ والنہایہ: ج ۸، ص ۲۳)

نیز اس کے اندر شہوتوں پر توجہ دینا اور بعض نمازوں کا چھوڑنا بعض اوقات میں اور اکثر اوقات میں نمازوں کا قضاء کر دینا بھی تھا۔

(۴) ابوالحسن المعروف بالکلیا الہراسی احد الفقہاء الکبار من رؤس الشافعیۃ سے یزید کے بارہ میں استفتاء کیا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا:

”فذكر عنه تلامعاً وفسقاً وجوز شتمه“۔ (البدایہ والنہایہ: ج ۲، ص ۱۷۳)

اس کے فسق اور کھیل کود کا ذکر کرتے ہوئے اس کے شتم کو جائز قرار دیا۔

(۵) ابوالفرج شیخ ابن جوزی نے شیخ عبدالمغیث بن زہیر کی کتاب ”فضل یزید“ کی تردید میں کتاب لکھی اس کے بارہ میں حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے:

”وقدر دعليه ابوالفرج ابن الجوزی۔ (وہومن شیوخ الحابلہ)

فاخادواصاب“۔ (البدایہ: ج ۲، ص ۳۲۸)

ابوالفرج ابن الجوزی نے (جو حابلہ کے شیوخ میں سے ہیں) اس پر بہت عمدہ اور صحیح رد کیا ہے۔

(۶) حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

”قال يحيى بن عبد الملك بن ابي غنبة اخذ الثقات ثنائون فل بن ابي عقرب ثقة قال كنت عند عمر بن عبد العزيز فذكر رجل يزيد بن معاوية فقال قال امير المؤمنين يزيد فقال عمر تقول امير المؤمنين يزيد فامر به فضرب عشرين سوطاً“۔ (تهذيب التهذيب ج ۱۱ ص ۳۶۱)

ترجمہ: یحییٰ بن عبد الملک بن ابی غنہ نے جو ثقہ راویوں میں سے ایک ہیں بیان کیا کہ ہم سے نوفل بن ابی عقرب نے بیان کیا جو ثقہ ہیں کہ میں امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر تھا، ایک شخص نے یزید بن معاویہ کا ذکر کیا اور کہا کہ ”امیر المؤمنین یزید نے یہ کہا“ خلیفہ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”تو یزید کو امیر المؤمنین کہتا ہے“ اور اس شخص کے لیے میں کوڑے مارنے کا حکم فرمایا، چنانچہ اس کے بیس کوڑے مارے گئے۔

(۷) حافظ ابن تیمیہ جن کے برابر یزید پر وارد کردہ الزامات کے جوابات اور اس کے دفاع میں شاید ہی کسی نے حصہ لیا ہو مگر اس نصرت کے باوجود وہ بھی ایک جگہ لکھتے ہیں:

”مع انه كان فيه من الظلم ما كان ثم انه اقتل هو وهم وفعل باهل الحرة امورا منكرا“۔ (منهاج السنہ ج ۱، ص ۲۷)

اس کے ساتھ اس میں جو ظلم تھے، پھر اس نے اور انہوں نے کیا کیا اور اہل حرہ کے ساتھ نازیبا سلوک کیا۔

(۸) فتاویٰ ابن تیمیہ میں لکھا ہے

:”بل الحق فيه انه كان ملكاً من ملوك المسلمين له حسنات وله سيئات والقول فيه كالقول في امثاله من الملوك لانحبه ولانسيبه وهو اول من غزا قسطنطينة وقال رسول الله ﷺ اول جيش

یغزروہا یغفرلہم وفعل فی اہل المدینۃ ما فعل وقد توعد رسول اللہ ﷺ من قتل فیہا قتیلاً ولعنه۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ص ۳۱۰)

ترجمہ: بلکہ یزید کے بارے میں حق یہ ہے کہ وہ مسلمان بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا۔ اس کی اچھائیاں بھی ہیں اور اس کی برائیاں بھی ہیں اور ان کے بارے میں ہمارا قول وہی ہے جو اس کی مثل دوسرے بادشاہوں کے بارے میں ہے ہم نہ اس سے محبت کرتے ہیں اور نہ اس پر لعن طعن کرتے ہیں اور وہ پہلا شخص ہے جس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ پہلا لشکر جو قسطنطنیہ پر جہاد کرے گا ان کی مغفرت ہو جائے گی اور اس نے اہل مدینہ کے بارے میں کیا جو کچھ کیا حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے بارے میں (عذاب کی) وعید سنائی ہے اور اس پر لعنت کی ہے جو مدینہ میں قتل و قتل کرے۔

حاصل یہ ہے کہ یزید کے فق و فجور کے بارہ میں جو مبالغہ آمیز اور ناقابل اعتبار تاریخی روایات بطور افتراء اور بہتان کے مشہور ہو چکی ہیں اور معائب یزید کی جن روایات کا ان کے راویوں کے کذب و دجل اور تلخیص کی وجہ سے موضع اور من گھڑت ہونا ثابت ہو چکا ہے اگر ان سب سے قطع نظر کر کے صرف عبارات بالا ہی کو بنظر انصاف دیکھا جائے تو یزید کے بارہ میں اس حقیقت پر یقین کر لینے سے چارہ نہیں ہے کہ یزید کی طرف سے پورا دفاع کرنے کے باوجود جس کا اقرار حافظ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد حافظ ابن کثیر کو بھی اپنے مذکورہ بالا الفاظ میں کرنا پڑا ہے۔

عباسی صاحب کا نظریہ اور ان کے حوالوں کا جائزہ :

اکابر امت کی آراء کے برخلاف محمود احمد عباسی صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ یزید ایک نہایت ہی متقی، پارسا مناقب جلیلہ اور اوصاف حمیدہ کا مالک شخص تھا اس کے لیے عباسی

صاحب نے کتابوں کی عبارتوں میں قطع برید کرنے اور بعض عبارتوں کا ترجمہ تک غلط کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ بطور نمونہ چند حوالوں کا ذیل میں جائزہ لیا جاتا ہے، اس جائزہ سے عباسی صاحب کی ریسرچ کا حقیقی منظر واضح ہو کر سامنے آ جائے گا۔

(۱) عباسی صاحب نے حافظ ابن کثیر کا یہ قول: ”ولہ مصنف فی فضل یزید بن معاویۃ اتی فیہ بالغرائب والعجائب“ نقل کر کے اس کا ترجمہ اپنے مطلب کے موافق اس طرح کیا ہے ”اور ان (شیخ عبدالمغیث) کی تصنیف سے فضل یزید بن معاویہ پر ایک کتاب ہے جس میں بہت سے غریب و عجیب حالات بیان کئے ہیں۔“

حالانکہ اہل علم جانتے ہیں کہ ایسے مواقع میں ”غرائب و عجائب“ کا استعمال اچھے معنی میں نہیں ہوتا بلکہ ان کے غیر مستند ہونے کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ علامہ ابن کثیر کا مقصد بھی اس سے یہی بتلانا تھا کہ اس میں غیر مستند باتیں لکھی ہیں مگر عباسی صاحب نے اس سے کتاب کی مدح کا پہلو کشید کر لیا۔

دوسرے ”اتی فیہ بالغرائب والعجائب“ سے ملی ہوئی فوراً ہی بعد جو یہ عبارت تھی ”وقدر دعلیہ ابو الفرج بن الجوزی فاجادوا صواب“ ابو الفرج ابن جوزی نے اس پر بہت عمدہ اور صحیح رد کیا ہے، اس عبارت کو اپنے مقصد کے خلاف دیکھ کر عباسی صاحب نے چھوڑ دیا۔

ابن جوزی کی اس کتاب کا نام ”الرد علی المتعصب العنید المانع عن ذم یزید“ ہے۔ (مذکورہ کتاب کا اردو ترجمہ ہمارے ادارہ ”شاہ نقیص اکادمی“ سے شائع ہو چکا ہے۔ ر.ن.) یزید کی منقبت ثابت کرنے کے لیے عباسی صاحب نے علامہ ابن کثیر کی عبارت کا غلط مفہوم پیدا کرنے اور اس سے متصل کی عبارت کو حذف کر کے ناظرین کو مغالطہ دینے کی کس طرح کوشش کی ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔

(۲) عباسی صاحب لکھتے ہیں ”خليفة ناصر نے امیر یزید کے بارہ میں شیخ سے

جو سوال کیا اور جو جواب انہوں نے دیا علامہ موصوف کے الفاظ میں سنئے:

”فسأله الخليفة عن يزيد ايلعن ام لا؟ فقال لا اسوغ لعنه لاني لو فتحت هذا الباب لافضى الناس الى لعن خليفة فقال الخليفة ولم؟ قال لانه يفعل اشياء منكورة كثيرة منها كذا وكذا ثم شرع يعدد على الخليفة افعاله القبيحة وما يقع منه المنكر“۔ (البدایۃ ج ۱۲ ص ۳۲۸)

پھر اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

”خليفة ناصر نے (شیخ عبدالغیث) سے سوال کیا کہ یزید پر لعن کیا جائے یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ لعن کرنا ہرگز جائز نہیں اور لعن کا دروازہ کھول دیا جائے تو لوگ ہمارے موجودہ خلیفہ پر لعن کرنے لگ جائیں گے۔ خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں؟ شیخ نے کہا کہ وہ بہت سے منکرات پر عمل پیرا ہوئے ہیں جن میں سے یہ اور یہ امور ہیں، انہوں نے خلیفہ کے برے افعال گننا شروع کئے۔“ (خلافت معاویہ و یزید: ص ۱۰۶، ۱۰۷)

”لا اسوغ لعنه“ کا ترجمہ ”لعن کرنا ہرگز جائز نہیں“ صحیح نہیں ہے، صحیح ترجمہ اس کا یہ ہے ”میں اس پر لعن کرنے کی اجازت نہیں دوں گا“ لعن کا جائز نہ ہونا اور بات ہے اور جائز ہوتے ہوئے کسی مصلحت کی وجہ سے اس کی اجازت نہ دینا اور بات ہے۔ خلیفہ ناصر بھی چونکہ بغض منکرات اور برائیوں پر عمل پیرا تھے اس وجہ سے شیخ نے یزید پر لعنت کی اجازت دینے سے خلیفہ وقت پر بھی لعنت کے دروازے کے کھل جانے کا اندیشہ کیا۔ اس لیے لعنت کی اجازت نہیں دی اور خلیفہ وقت کو متنبہ کر دیا کہ جن منکرات کی وجہ سے وہ یزید کو مستحق لعنت سمجھتے ہیں ویسے ہی امور منکرہ کے وہ خود بھی مرتکب ہو رہے ہیں۔ تو کیا شیخ کے اس قول سے یزید کی کوئی منقبت ثابت ہو رہی ہے؟ یا اس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ یزید اور خلیفہ ناصر دونوں ہی امور منکرہ اور افعال قبیحہ کے مرتکب ہیں۔

(۳) عباسی صاحب نے یزید کی منقبت ثابت کرنے کے لیے حسب ذیل عبارت بھی بیان کی ہے:

”وكان (ابوأيوب الانصاري) في جيش يزيد بن معاوية واليه اوصى وهو الذي صلى عليه“
(البدایۃ ج ۸ ص ۵۸)

ترجمہ: ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ یزید بن معاویہ کے لشکر میں تھے انہوں نے اس (یزید) کو وصیت کی اور اسی (یزید) نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

(خلافت معاویہ و یزید ص ۷۷)

یزید کے نماز جنازہ پڑھانے سے اس کی فضیلت و منقبت پر کچھ روشنی نہیں پڑتی، بحیثیت امیر لشکر ہونے کے نماز پڑھانا ان کا حق تھا۔ ”صلوا خلف کل بروفاجر“ فرمان نبوی ﷺ کے مطابق ہمیشہ اسی طرح عمل ہوتا رہا ہے، ائمہ جور کے پیچھے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین نے نمازیں ادا کی ہیں مگر اس سے ان ائمہ کا ثقتہ اور عادل ہونا ثابت نہیں ہوا بلکہ اس کے باوجود بھی وہ امام جائز ہی رہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کے زمانہ میں سبائیوں کا سرغنہ مسجد نبوی میں نماز پڑھاتا تھا اور حضرت عثمان خلیفہ راشد نے اس کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی جیسا کہ بخاری شریف میں ج ۱ ص ۹۶ پر موجود ہے، مگر اس کی امانت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس کے پیچھے نماز ادا کرنے سے اس کی ثقاہت اور عدالت کا ثبوت نہیں ہوا۔ بخاری شریف میں ہے:

”ووصلی لنا امام فتنۃ وفتح فقل الصلوۃ احسن ما یعمل الناس
فاذا احسن الناس فاحسن معهم واذا اساء وافاجتنب اساءتہم“ -

(بخاری: ج ۱، ص ۹۶)

(۴) عباسی صاحب نے یزید کے محاسن ثابت کرنے کے لیے ”البدایۃ“ کی

حسب ذیل عبارت بھی پیش کی ہے:

”وقد كان يزيد فيه خصال محموده من الكرم والحلم
والفصاحة والشعر والشجاعة وحسن الرأي في الملك وكان
ذا جمان حسن المعاشرة“ - (البدایۃ: ج ۸، ص ۲۳۰)

اور یزید کی ذات میں قابل ستائش صفات حلم و کرم و فصاحت و شعر گوئی
و شجاعت و بہادری کی تھیں، نیز معاملات حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے
اور خوبصورت اور خوش سیرت تھے۔ (خلافت معاویہ و یزید: ص ۱۰۰)

مگر اس سے ملی ہوئی حسب ذیل عبارت کو عباسی صاحب نے ریسرچ کا حق
ادا کرنے کے لیے چھوڑ دیا:

”وكان فيه أيضاً أقبال على الشهوات وترك بعض الصلوات في بعض
الاقوات وإماتته انفي غالب الاوقات“ - (البدایۃ: ج ۸، ص ۲۳۰)

ترجمہ: اور نیز اس میں شہوات نفسانیہ میں انہماک اور بعض اوقات بعض نمازوں
کا ترک کرنا پایا جاتا تھا اور نمازوں کا بے وقت پڑھنا تو اکثر اوقات تھا۔

عباسی صاحب کی منقولہ عبارت سے یزید کے اندر حلم و کرم وغیرہ اوصاف مذکورہ
کے پائے جانے سے جو کہ ایک غیر مسلم اور غیر متقی میں بھی پائے جاسکتے ہیں یزید کا ثقہ اور متقی
ہونا کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے؟ جس کے لیے عباسی صاحب بہت بے چمن نظر آتے ہیں۔

خلافت معاویہ و یزید کے طبع چہارم میں اس عبارت پر یہ حاشیہ لکھا ہے ”اس
عبارت کے بعد ہی لفظ ایضاً کے ساتھ جو الفاظ درج ہیں وہ اس لیے حذف کر دیے گئے کہ
جن بزرگوں کو امیر یزید کے حالات سے ذاتی واقفیت تھی انہوں نے امیر یزید کی پابندی
نماز اور اتباع سنت کا حال بیان کیا ہے، مثلاً برادر حسین رضی اللہ عنہ، محمد بن حنفیہ وغیرہ نے
جو دوسری جگہ درج ہے، نیز اس موقع پر ان کی کریم النفسی کا ذکر ہے“ (حاشیہ ص ۱۰۰)۔

فتح الباری وغیرہ کی عبارت منقولہ (۱) میں موجود ہے:

کہ یزید کے چچازاد بھائی امیر مدینہ عثمان بن محمد بن ابی سفیان نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جس جماعت کو یزید کے حالات معلوم کرنے کے لیے اہل مدینہ کی طرف سے بطور وفد کے دمشق روانہ کیا تھا اس وفد نے مدینہ منورہ واپس آ کر یزید کے عیوب کو بیان کیا تھا اور شراب پینے کو اس کی طرف منسوب کیا تھا۔ تو کیا اس وفد نے یزید کے حالات سے ذاتی واقفیت حاصل کیے بغیر ہی یہ بیان دے دیا تھا؟ یہ بیان آخر کیوں ناقابل قبول ہے؟ مختلف احوال میں مختلف حالات کا دیکھنے والوں کے علم میں آ جانا کیا کوئی ناممکن بات ہے؟ برادر حسین محمد بن حنفیہ نے امیر موصوف کی پابندی نماز اور اتباع سنت کا حال دیکھا ہوگا انہوں نے اس کو بیان کر دیا دوسرے وقت میں اس کے دوسرے حالات ظاہر ہوئے تو اس کو دیکھنے والوں نے بیان کر دیا اس میں تعارض و تخالف کی کیا بات ہے؟

حافظ ابن کثیر کی پوری عبارت کو نقل کر کے اس کے کسی حصے سے اختلاف ظاہر کیا جاتا تو یہ اور بات ہوتی اور عبارت میں قطع برید کر کے اس کے ایک حصے کو نقل کرنا اور دوسرے حصے کو حذف کر کے اس کو حافظ ابن کثیر کی طرف منسوب کرنا ناظرین کو مغالطہ میں ڈالنا اور بددیانتی اور تلمیس سے کام لینا ہے۔

(۵) اکابر امت کی آراء کے تحت (۶) پر ابن حجر عسقلانی کی روایت سے اس واقعہ کا ذکر اوپر گزر چکا ہے کہ ”عمر بن عبدالعزیز کے سامنے کسی نے یزید کا ذکر امیر المؤمنین کہہ کر کیا تو انہوں نے بیس کوڑے لگانے کا حکم دیا۔“

حافظ ابن حجر نے اس واقعہ کو یحییٰ بن عبدالملک بن ابی عتبہ سے اور انہوں نے نوفل بن عقرب سے روایت کیا ہے۔ اس سند کے راوی یحییٰ بن عبدالملک کی توثیق ابن

حجر نے ”احد الثقات“ کہہ کر کی ہے اور دوسرے راوی نوفل بن ابی عقرب کا ثقہ ہونا ”ثقہ“ کی تصریح کر کے بتلادیا ہے۔ مگر عباسی صاحب لکھتے ہیں:

”برخلاف وضعی روایت کے راویوں یحییٰ بن عبد الملک و نوفل بن عقرب کے جو

مجہول الحال ہیں۔“ (خلافت معاویہ و یزید ص ۹۳)

عباسی صاحب کا ان راویوں کو مجہول الحال کہنا ابن حجر کی توثیق کے باوجود کیا وزن رکھتا ہے یہ بھی قابل غور ہے۔

عباسی صاحب اس واقعہ پر عمل جراحی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”تہذیب الہذیب“ میں امام ابن حجر عسقلانی ”امیر موصوف کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث یحییٰ بن عبد الملک بن عتبہ الکوفی کا جس کو وہ ”احد الثقات“ یعنی ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں یہ قول اپنی ہی طرح کے ایک اور ثقہ راوی نوفل بن ابی عقرب کی سند سے نقل کیا ہے کہ اموی خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے محض اتنی سی بات پر کہ وہ شرعی جرم نہیں ایک شخص کے بیس کوڑے لگوائے تھے کہ امیر یزید کا ذکر اس نے امیر المؤمنین کہہ کر کیا تھا۔

(خلافت معاویہ و یزید طبع چہارم ص ۹۳)

عباسی صاحب کے مغالطات :

(الف) حافظ ابن حجر ”تہذیب الہذیب“ میں ایسے آدمی کا ذکر بھی کر دیتے ہیں جو راوی حدیث نہیں ہوتا اور مقصد وہ ناموں میں اشتباہ کو دور کرنا ہوتا ہے، اس جگہ حافظ ابن حجر نے صحاح کے راوی یزید بن معاویہ النخعی سے امتیاز کرنے کے لیے یزید بن معاویہ اموی کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اس کی تصریح خود حافظ موصوف نے فرمادی ہے ”ذکرہ للتمیزینہ و بین النخعی“ میں نے یزید کا ذکر اس میں اور النخعی میں تمیز کرنے کے لیے کیا ہے۔

عباسی صاحب نے اس سے یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ یزید بھی صحاح کا

راوی ہے حالانکہ اس کی حقیقت صرف یہ ہے جو حافظ صاحب موصوف کی زبانی ابھی لکھی گئی ہے

(ب) عبارات بالا میں عباسی صاحب نے اس قول کو یحییٰ بن عبد الملک بن

عتبہ الکوئی کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ ان کا ذکر ہی ”تہذیب التہذیب“ میں سرے سے نہیں ہے۔ البتہ یحییٰ بن عبد الملک بن غنیہ الخزاعی ابو زکریا الکوئی کی روایت سے اس قول کو علامہ ابن حجر نے ”تہذیب التہذیب“ میں روایت کیا ہے اور ان کی توثیق کی ہے۔

(ج) جب ثقہ اور معتبر راویوں کے ذریعہ سے یہ واقعہ ثابت ہے تو اس بنا پر اس

کے رد کرنے کی کوشش کرنی کہ عباسی صاحب کے نزدیک یزید کا ذکر امیر المؤمنین کہہ کر کرنا شرعی جرم نہیں ہے، کیسے درست ہو سکتی ہے؟

اگرچہ عباسی صاحب کے نزدیک یہ شرعی جرم نہیں ہے مگر خیر التالیعین خلیفہ راشد

عمر بن عبد العزیز کے نزدیک یزید کا ذکر امیر المؤمنین کہہ کر کرنا ایسا شرعی جرم تھا جس پر انہوں میں کوڑے لگانے کا حکم دیا تھا۔

(د) اس واقعہ کے نقل اور اس کے راویوں کی توثیق کرنے سے حافظ ابن

حجر کے نزدیک یزید کی حیثیت اور اس کا مرتبہ واضح ہو رہا ہے اسی سے اس کا ذکر روائۃ احادیث میں کرنے کا حال بھی معلوم ہو جاتا ہے اور خود علامہ ابن حجر نے تصریح کر دی ہے ”ولیس له رواية تعتمد“ اس (یزید) کی کوئی روایت قابل اعتماد نہیں ہے اور علامہ ذہبی نے یزید کے متعلق فرمایا ہے:

” (یزید بن معاویہ) بن ابی سفیان الاموی روی عن ایہ وعنه ابنہ

خالد و عبد الملك بن مروان مقدوح فی عدالته لیس باہل ان یروی

عنه وقال احمد بن حنبل لا ینفی ان یروی عنه “۔

(میزان الاعتدال: ج ۴، ص ۴۴)

یزید نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اور خود اس سے اس کے بیٹے خالد اور

عبدالملک بن مروان نے روایت کی ہے، اس کی عدالت مجروح ہے یہ اس کا اہل نہیں ہے کہ اس سے روایت کی جائے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے روایت کرنا جائز نہیں۔

علامہ ابن حجر اور علامہ ذہبی جیسے اہم الرجال کے ماہرین نے جب یزید کو مجروح اور ناقابل اعتماد قرار دیا ہے اب اس کے مقابلہ میں عباسی کا ص ۹۴ پر یزید کے بیٹے خالد وغیرہ کی ان سے روایت کرنے کی وجہ سے اس کو ثقہ ثابت کرنے کی کوشش یزید کی بے جا حمایت ہے۔ (ہ) اور عباسی صاحب کا یہ کہنا کہ ”مراسیل ابی داؤد میں ان (یزید) سے روایت ہے“ اس کے بارہ میں علامہ ابن حجر کی عبارت اس طرح ہے ”ثم وجدت له رواية في مراسيل أبي داود وقد نبهت عليها في الاستدراك“۔

(تہذیب الحدیث ج ۱۱ ص ۳۶۱)

عبارتوں کی قطع برید کرنے اور ان کے غلط ترجموں سے یزید کے مناقب اور محاسن ثابت کرنے کی اس ویاندارانہ کوشش کے بارہ میں ہی کیا یہ کہا جا رہا ہے کہ عباسی صاحب کی ”اس ریسرچ نے حقیقت سے پردہ اٹھا دیا ہے؟“۔

حضرت حسینؑ کے بارہ میں عباسی صاحب کے خیالات :

حضرت حسینؑ کے بارہ میں عباسی صاحب نے چونکہ اپنے خیالات کی ترجمانی کے لیے مستشرقین کا کندھا استعمال کیا ہے اور مرتبہ ناشناس غیر مسلموں کے نہایت ناشائستہ اور گھناؤنے الفاظ کو بغیر تنقید کے انہوں نے نہ صرف نقل کر دیا ہے بلکہ بعض جگہ ان الفاظ کو قابل لحاظ قرار دے کر اپنے دعویٰ کے ثبوت میں بھی ان کو پیش کیا ہے، اس طرح عباسی صاحب نے سیدنا حسین کی برملا تنقیص کرنے میں ان مستشرقین کی ہمنوائی اور موافقت کا ارتکاب کیا ہے، عباسی صاحب کے خیالات کی ترجمانی کے لیے ان کی حسب ذیل عبارات قابل لحاظ ہیں:

(۱) خلافت معاویہ ویزید کے ص ۱۲۵ پر مؤرخ دوزی کے حوالہ سے لکھا ہے:
 ”حسین کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے ایک انوکھی لغزش اور خطا و غنی
 قریب قریب غیر معقول حب جاہ کے کارن ہلاکت کی جانب تیز گامی سے رواں دواں
 ہوں ولی اللہ کے روپ میں پیش کیا ہے۔“

عباسی صاحب نے اس کو نقل کرتے ہوئے قابل لحاظ قرار دیا ہے، لکھا ہے
 ”مشہور مؤرخ دوزی کا ایک فقرہ اس بارہ میں قابل لحاظ ہے۔“ (ص ۱۲۵)

اس سے واضح ہے کہ عباسی صاحب کے خیالات بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارہ
 میں اسی طرح کے ہیں۔

(۲) ص ۹۵ پر مؤرخ دوزی کا درج ذیل فقرہ نقل کرتے ہوئے اس کو بر محل
 قرار دیا ہے، مؤرخ دوزی کا یہ فقرہ بے محل نہ ہوگا ”حسین نے حب جاہ کی مہلک ترغیبات
 پر کان دھرنے کو ترجیح دی اور ان لاتعداد خطوط (دعوت ناموں) کی فخریہ طور پر نمائش کرتے
 رہے جو ان کو موصول ہوتے رہے اور جن کی تعداد جیسا کہ شیخی سے کہتے تھے ایک اونٹ کے
 بوجھ کے مساوی تھی۔“

(۳) ص ۲۰۳ پر تحریر کرتے ہیں کہ ”حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف تلوار کیوں
 نہیں اٹھائی جاسکتی جن کی دعوت محض یہ تھی کہ نبی ﷺ کا نواسہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ
 کا فرزند ہونے کی حیثیت سے انہیں خلیفہ بنایا جائے۔“

(۴) ”حضرت حسین نسبی و خاندانی دعویٰ سے بے جا و بے محل خروج کرنے
 میں بقول مؤرخ ”الخضرمی“ ص ۲۳۵ ”عظیم ترین غلطی کا ارتکاب کیا تھا“ موجودہ دور تحقیق
 و ریسرچ میں ناجائز خروج کی پردہ پوشی کے لیے مناقب کی مبالغہ آمیز وضعی اور جھوٹی
 حدیثیں اور روایتیں اپنا وزن کھو چکی ہیں اور یہ حقیقت منکشف ہو چکی ہے کہ طلب حکومت
 کے ان خرد جو کہ نے جن کا سلسلہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خروج سے شروع ہو کر ان کی

اولاد میں صدیوں تک جاری رہا وحدت اسلامی کا شیرازہ منسٹر کر دیا۔

(خلافت معاویہ و یزید: ص ۴۶۸)

ان عبارات میں حضرت حسین ؑ کے بارہ میں جس قدر گستاخانہ انداز تحریر اختیار کیا گیا ہے وہ ہرگز کسی مسلمان کے لیے قابل برداشت نہیں ہو سکتا مگر بد قسمتی سے اس انداز تحریر کو تحقیق و ریسرچ کے نام پر مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے اور خارجیت کے اس تلخ زہر کو ”تاریخی تحقیق“ کی چاشنی کے ذریعہ اہل سنت کے لیے قابل برداشت بنانے اور ان کے حلق سے اتارنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

حضرت حسین ؑ کے بارہ میں بدظنی کے اس نظریہ کی جس کو عباسی صاحب نے پیش کیا ہے اہل سنت والجماعت کے مسلک میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ مسلک اہل سنت کی رو سے اس کو رد و انقض کے غلو اور افراط کے مقابلہ میں یقیناً خوارج کی تفریط اور خطرناک ضلالت اور سخت گمراہی کہا جائے گا۔

اہل بیتؑ کی محبت عین ایمان ہے :

اہل سنت کے نزدیک آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام ؓ کے ساتھ حسن عقیدت اور حسن ظن رکھنے کے ساتھ آپ کے اہل بیت عظام کے بارہ میں بھی حسن ظن رکھنا اور ان کے ساتھ محبت کرنا عین ایمان ہے۔

حضرت حسین ؑ کی شان اقدس میں جن کو رسول اللہ ﷺ سے نسبی قرابت قریبہ ہونے کے علاوہ صحابیت کا شرف بھی حاصل ہے کسی طرح کی بدگمانی کا تصور کرنا اور حضرت موصوف کے بارہ میں ”حب جاہ، اور باغی نیز بناوٹی ولی اللہ اور شنی خور“ ہونے کا نظریہ رکھنا جیسا کہ اوپر کی عبارات سے عباسی صاحب کا یہی نظریہ ظاہر ہو رہا ہے، اس کو مسلک اہل سنت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، یہ عباسی صاحب نے اپنی خارجیانہ ذہنیت اور باغیانہ خیالات کا مظاہرہ کیا ہے۔

حضرت حسینؑ کی صحابیت سے انکار :

عباسی صاحب کی یہی ذہنیت ہے جو ”تحقیق در سیرج“ کی آڑ میں حضرت حسینؑ کو صحابہ کرامؓ کی صف میں شمار کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

عرض مؤلف طبع سوم میں اگرچہ عباسی صاحب نے اس الزام کے جواب میں مغالطہ دینے کے لیے پہلے یہ لکھا ہے کہ ”حضرت حسین کی صحابیت سے کہیں بھی انکار نہیں کیا گیا“ (خلافت معاویہ و یزید ص ۲۲) مگر اس پر وہ برقرار نہیں رہ سکے اور اسی صفحہ پر اپنے مافی الضمیر کا اس طرح برملا اظہار کر دیا کہ:

”جب حضرت حسینؑ کا وفات نبوی کے وقت چار پانچ سال کا ہونا ثابت ہے تو صحابیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، چہ جائیکہ صحابی جلیل ہونے کا۔“

(ایضاً ص ۲۲)

مگر یزید کے حامی عمر بن سعد کے بارہ میں عباسی صاحب بالکل دوسری طرح سوچتے ہیں اور حضرت حسینؑ اور عمر بن سعد دونوں کے ہم عمر ہونے کے باوجود عمر بن سعد کو صحابہ میں شمار کرتے ہیں، لکھتے ہیں:

”حضرت عمر بن سعد اور حضرت حسین بن علی دونوں ہم سن قرار پاتے ہیں“

(خلافت ص ۲۲۲)

پھر لکھا ہے ”عمر بن سعد خود صغار صحابہ کے زمرہ میں شامل تھے“ (ایضاً ص ۲۳۰) جس سن و سال میں حضرت حسینؑ کے لیے صحابیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا عباسی صاحب کے نزدیک اسی سن و سال میں عمر بن سعدؓ صحابیت کے شرف سے بھی مشرف ہیں اور زمرہ صحابہ میں بھی شامل ہیں۔ اب اس کو عباسی صاحب کی خارجیانہ ذہنیت کے مظاہرہ کے سوا اور کیا نام دیا جائے؟۔

حضرت حسینؑ کی شہادت سے انکار :

عباسی صاحب یزید کے خلاف حضرت حسین کے اس اقدام کو چونکہ ”ناجائز خروج“ سمجھتے ہیں اس لیے وہ حضرت حسینؑ کے شہید ہونے کی بھی نفی کرتے ہیں، چنانچہ عباسی صاحب نے اپنی دوسری کتاب ”تحقیق سید و سادات“ میں لکھا ہے:

”حضرات حسنین کے ذکر میں ایک صاحب (حسن) کے بعارضہ ذیابیطس کے وفات پانے اور دوسرے صاحب (حسین) کے سیاسی جھگڑوں میں مقتول ہو جانے کو ایک فرقہ کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر قتل فی سبیل اللہ سے تعبیر کرنا حقیقت سے قطعاً بعید ہے۔“ (تحقیق سید و سادات ص ۲۹۶)

اور لکھا ہے:

”حضرت حسین کی اور ان کے عزیزوں اور بعض ساتھیوں کی عزیز جانیں تو طلب خلافت کے خروج میں اور ہم عصر مسلمانوں کے ساتھ آویزش میں ہی تلف ہوئیں، کربلا کی وضعی داستانوں میں ان کی موت کو شہادت عظمیٰ کا درجہ دیا جاتا ہے، شہید تو وہی ہے جو دین کی حمایت اور کفار کے مقابلہ میں اپنی جان قربان کرے ایسی شہادت قتل فی سبیل اللہ تو رسول اللہ ﷺ کے نواسوں میں آپ کے سب سے بڑے نواسے حضرت علی بن ابوالعاص کی تھی“ (ص ۲۹۴)

اور اس کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ کے صفحہ ۲۳۰ پر بھی لکھا ہے:

”حضرت حسین اور ان کے عزیزوں کی قیمتی جانوں کے یوں ضائع ہو جانے کا تصور تو آج بھی ہمارے دلوں میں حزن و ملال کے تاثرات پیدا کرتا ہے“

حضرت حسینؑ کی شہادت کو سیاسی جھگڑوں میں قتل، اور طلب خلافت کے خروج میں جان تلف اور ضائع ہونے سے تعبیر کرنا یہ مسئلہ کا کس قدر غلط اور جانبدارانہ جائزہ اور توہین آمیز نظریہ ہے وہ کسی اہل علم و فہم سے پوشیدہ نہیں ہے۔

حضرت حسنؓ کی وفات :

محقق عصر عباسی صاحب نے ”تحقیق سید و سادات“ کی عبارت بالا میں تو لکھا ہے کہ حضرت حسن نے بعارضہ ذیابیطس وفات پائی، مگر اس سے قبل ص ۲۹۴ کی عبارت میں لکھا ہے ”حضرت حسن نے بعارضہ تپ محرقہ چالیس دن بیمار رہ کر وفات پائی تھی“ اور خلافت معاویہ و یزید کے ص ۱۴۲ پر لکھا ہے ”۴۸ھ میں حضرت حسن نے وفات پائی آپ تپ دق کے مہلک مرض میں فوت ہوئے تھے نہ زہر خوردنی سے جو محض غلط مشہور ہے“ یہ ہے تحقیق محقق عصر کی کہ کہیں کچھ لکھ دیا کہیں کچھ لکھ دیا۔

اوپر کے اقتباسات سے عباسی صاحب کا نظریہ واضح ہے کہ ان کے نزدیک حضرت امام حسینؓ محض نواسہ رسول اور فرزند علیؓ ہونے کی حیثیت سے ہی خلافت کے استحقاق کا دعویٰ فرماتے تھے، دوسری کوئی بات موجب فضیلت اور باعث منقبت ان کے نزدیک حضرت موصوف میں نہیں پائی جاتی تھی اور ان کے نزدیک حضرت موصوف کا یزید کے خلاف یہ اقدام بھی بے جا و بے محل ناجائز خروج قرار پاتا ہے اسی لیے وہ حضرت حسینؓ کو شہید کی بجائے سیاسی مقتول سمجھتے ہیں اور چونکہ وہ حضرت حسینؓ کی صحابیت کا بھی انکار کرتے ہیں اس لیے ان کے نزدیک حضرت حسینؓ ان فضائل و مناقب کے بھی مستحق و مصداق نہیں ہیں جو قرآن و حدیث سے صحابہ کرامؓ کے لیے ثابت ہیں۔ لیکن حضور ﷺ کے ان ارشادات عالیہ سے روگردانی اور اعراض کرنے کا جواز عباسی صاحب کے ہاتھ کیسے آگیا جن سے حضرت حسینؓ کے مناقب و فضائل کا ثبوت ان کے نام کی تصریح کے ساتھ ہو رہا ہے۔

ایک حدیث میں تو حضور ﷺ نے حضرت حسینؓ کو اپنا محبوب بھی فرمایا ہے اور خدا تعالیٰ سے آپ کی محبوبیت کے لیے دعا بھی فرمائی ہے۔

حدیث ترمذی میں ہے:

” فقال هذان ابناي وابنا بنتي اللهم اني احبهما فاجبهما واحب من
يحبهما۔“ (ص، ۲۱۷، تدمیری کتب خانہ)

ترجمہ: حسن و حسین یہ دونوں میرے بیٹے، میری بیٹی کے بیٹے، اے اللہ میں
ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان کو اپنا محبوب بنا اور جو ان سے محبت کرتو بھی
ان سے محبت کر۔

اس طرح کی احادیث کا عباسی صاحب کے نزدیک آخر کیا مطلب ہے؟ کیا خدا
اور رسول کے محبوب (حضرت حسین) کی سیرت ایسی ہی تھی جس کا نقشہ عباسی صاحب نے اپنی
اس کتاب میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، تعصب کی انتہا ہے کہ یزید کی طرفداری میں حضرت
امام حسین رضی اللہ عنہ کے مسلک و موقف کو مسخ کرنے اور آپ کی سیرت کا حلیہ بگاڑنے کے لیے
پورا زور لگا دیا گیا ہے، کیا یہ وہی حسین رضی اللہ عنہ ہیں جن کے متعلق اہل جنت کے نوجوانوں کے
سردار ہونے کی بشارت نام لے کر آنحضور ﷺ نے فرمائی تھی مگر افسوس کہ سرداری جنت کی
یہ حدیث بھی عباسی صاحب کے نزدیک وضعی ہے (جیسا کہ آگے معلوم ہوگا)۔

اسی طرح ”لایزال الاسلام عزیز الی ابنتی عشر خلیفہ“ کا مصداق امراء
بنی امیہ کو بتاتے ہوئے بھی عباسی صاحب سخت تعصب کا شکار ہوئے ہیں کہ انہوں نے ان
خلفاء میں خلفاء راشدین کو شمار نہیں کیا بلکہ ان کے نزدیک سب سے پہلے خلیفہ جو اس حدیث
کے مصداق ہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں، پھر آگے چل کر تو حدیثی کردی کہ امراء بنی
امیہ کی تعداد بارہ کے بجائے جب چودہ بن گئی تو آخری امیر کو تو اس لیے اس میں شمار نہیں
کیا کہ اس پر حکومت بنی امیہ کا خاتمہ ہو گیا، لیکن اس کے باوجود بھی بارہ کے بجائے تیرہ
امراء رہے تو درمیان سے امت محمدیہ کے مجدد اور عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جیسے
خلیفہ راشد کو بھی ان خلفاء کی فہرست سے پوری بے دردی کے ساتھ خارج کر دیا گیا جن کے
زمانہ میں اسلام کے طاقتور اور مضبوط رہنے کی پیشین گوئی اس حدیث مذکور ”لایزال

الاسلام عزیز الی اثنی عشر خلیفہ“ میں دی گئی ہے۔

عباسی صاحب کا احادیث کے ساتھ ناروا سلوک :

عباسی صاحب کا احادیث کے ساتھ بے جا سلوک ان کی کتاب میں کئی جگہ ملے گا مثلاً:

(۱) ص ۲۴۴ پر صحیحین کی حدیث کو اس لیے ”محل نظر“ قرار دے دیا کہ اس کی

رو سے عمرو بن سعد زمانہ نبوی کا مولود ثابت نہیں ہوتا اور عباسی صاحب کو یہ ثابت کرنا تھا کہ

عہد نبوی کا مولود ہے۔

(۲) نیز ص ۴۰۵ پر ابوداؤد وغیرہ صحاح کی حدیث ”خلافة النبوة ثلثون سنة ثم

یوتی اللہ الملک من یشاء“ (ابوداؤد ص ۲۵۹) کو وضعی ٹھہرایا گیا ہے کیونکہ وہ عباسی صاحب

کے نقطہ نظر کے بالکل خلاف ہے، ان کا کہنا ہے کہ اس وضعی حدیث کے راوی حشر بن

نباتہ الکوفی تمام ائمہ رجال کے نزدیک ایک ضعیف الحدیث اور لانج بہ ہیں، مگر الحدیث ہیں

یہ حدیث حشر سعید بن جہان مصری سے روایت کرتے ہیں کہ جن کی وفات ۱۳۶ھ میں

ہوئی اور حضرت سفینہ کا انتقال ۷۴ھ میں ہوا، ان دونوں کے سنین وفات میں ۶۲ برس کا فرق

ہے، پھر یہ سعید تبصرہ کے رہنے والے تھے اور حضرت سفینہ مدنی ہیں وہیں ان کی وفات

ہوئی انہوں نے یہ حدیث ان سے کب سنی اور کہاں سنی۔ (ص ۴۰۵)

حالانکہ ابوداؤد کی حدیث مذکور میں سعید بن جہان سے حشر کی بجائے سلیمہ

الوارث بن سعید روایت کرتے ہیں ابوداؤد کی سند میں یہ حشر نہیں ہیں اور بخاری کی

تاریخ صغیر ص ۹۷ پر سعید بن جہان سے حضرت سفینہ سے ملاقات کا ثبوت بھی ہوتا ہے۔

(۳) ص ۱۳۶ پر حدیث ”لعل اللہ ان یصلح بہ بین فتنین عظیمین من

المسلمین“ کی صحت میں شک و شبہ کا امکان مان لیا ہے۔

(۴) اسی طرح ص ۲۵ پر لکھ دیا ”مکررواتیوں میں جو کتب احادیث وغیرہ میں بھی

درج ہیں اور ”البدایہ والنہایہ“ میں بھی ان (عائشہ) کی عمر بوقت نکاح چھ برس کی اور بوقت

خلوت صحیحہ نو برس کی بتائی گئی ہے ان وضاعین کو یہ خیال کیسے آتا کہ آنحضور ﷺ کی ذات اقدس پر اس سے کیا اثر پڑتا ہے۔

حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنا بیان بخاری شریف میں موجود ہے کہ نکاح کے وقت میری عمر چھ سال کی تھی اور خلوت صحیحہ کے وقت نو برس کی ”نالت تزوج النبی ﷺ وانا بنت ست سنین (الی) فاسلمنی الیہ وانا یومئذ تسع سنین“ (بخاری ج ۱ ص ۵۱۱) بخاری میں ہونے کے باوجود بھی مؤلف ان روایتوں کے راویوں کو ”وضاع“ کہہ رہے ہیں۔

مؤلف کی ایک دوسری کتاب :

اس جگہ یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عباسی صاحب کی ایک دوسری تالیف ”تحقیق سید و سادات“ کے بھی چند اقتباسات ناظرین کے سامنے پیش کر دیے جائیں کیونکہ ان سے ان کا نظریہ احادیث کے متعلق معلوم کرنے میں مدد ملنے کے علاوہ عباسی صاحب کے دوسرے عقائد کا علم بھی ہوگا اور یہ اچھی طرح واضح ہو جائے گا کہ وہ بھی منکرین حدیث کے گروہ کی طرح احادیث کو مجروح اور زخمی کرنے میں بڑی بے باکی اور جرأت سے کام لیتے ہیں اور اپنی غرض و مقصد کے خلاف دیکھ کر جس حدیث کو چاہتے ہیں موضوع قرار دے دیتے ہیں، دراصل عباسی صاحب کا نقطہ نظر احادیث کے متعلق بالکل وہی ہے جو منکرین احادیث کا ہے۔

۸ لاکھ ۹۳ ہزار ۲۳۱ حدیثوں کو وضعی جعلی اور مہمل قرار دینا :

عباسی صاحب لکھتے ہیں:

”احادیث کی سب سے پہلی کتاب الموطا امام مالک متوفی ۱۷۹ھ میں نہ مناقب کی حدیثیں ہیں اور نہ جنت کی سرداری کی، امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ

اور امام مسلم ۲۶۱ھ نے صحیحین میں جو انان جنت کی سرداری کی کوئی حدیث نہیں لی، حالانکہ ان دونوں ائمہ حدیث نے تقریباً نو لاکھ حدیثوں کے انبار میں سے جو ان حضرات نے جمع کیا تھا صرف دو ہزار سات سو اٹھ حدیثیں اپنے اصول پر منتخب کیں باقی آٹھ لاکھ ترانوے ہزار دو سو اکتیس کو وضعی و جعلی اور مہمل قرار دے کر رد کر دیا“ (ص ۲۳۳، ۲۳۴)

عبارت بالا میں عباسی صاحب نے آٹھ لاکھ ترانوے ہزار دو سو اکتیس حدیثوں کو کس بے دردی سے وضعی و جعلی اور مہمل قرار دے دیا، اور پھر کس دیدہ دلیری سے امام بخاری اور امام مسلم کی طرف غلط طور پر یہ بات منسوب کر دی کہ ان دونوں اماموں نے حدیثوں کی اتنی بڑی مقدار کو وضعی و جعلی اور مہمل قرار دے دیا ہے، حالانکہ امام بخاری اور امام مسلم نے جن احادیث کو اپنی اپنی صحیح میں روایت نہیں فرمایا ان سب کو کہیں بھی وضعی و جعلی اور مہمل قرار نہیں دیا، یہ عباسی صاحب کا ان بزرگوں پر محض افتراء اور خالص بہتان ہے، جس کا ان کے پاس کچھ ثبوت نہیں ہے، بلکہ امام بخاری سے منقول ہے ”قال البخاری ماوردت فی کتابی هذا الا ما صح ولقد تری کثیرا من الصحاح“۔ (مقدمہ مشکوٰۃ للشیخ دہلوی اور مقدمہ بخاری شریف محدث سہارنپوری)

”امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب میں صرف صحیح حدیثیں ہی نقل کی ہیں اور بہت سی صحیح حدیثوں کو میں نے ترک کر دیا ہے۔“

اسی طرح امام مسلم کا قول ہے:

”قال مسلم الذی اوردت فی هذا الكتاب من الاحادیث

صحیح ولا اقول ان ماترکت ضعیف“۔

”جو حدیثیں میں نے اس کتاب میں نقل کی ہیں وہ صحیح ہیں لیکن میں یہ

نہیں کہتا کہ جو احادیث میں نے چھوڑ دی ہیں وہ ضعیف ہیں۔“
مقدمہ مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ:

”ان البخاری و مسلم بالم حکما بانہ لیس احادیث صحیحہ

غیر ماخر جاہ فی ہذین الکتابین
یعنی امام بخاری اور امام مسلم نے یہ حکم کہیں نہیں لگایا کہ جن حدیثوں کو انہوں
نے اپنی دونوں کتابوں میں روایت نہیں کیا وہ صحیح نہیں ہیں اور امام بخاری سے
یہ بھی منقول ہے کہ:

”انہ قال حفظت من الصحاح مائة الف حدیث ومن غیر الصحاح
مائتی الف۔“ (مقدمہ مشکوٰۃ)

ایک لاکھ صحیح حدیثیں اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں میں نے یاد کی ہیں۔
جب ایک لاکھ حدیثیں امام بخاری کو ایسی یاد تھیں جو صحیح تھیں تو پھر وہ صحیح بخاری
میں درج شدہ حدیثوں کے علاوہ دوسری حدیثوں کو جعلی اور موضوع کیسے کہہ سکتے ہیں؟ اور
خود مسلم شریف میں ہی امام مسلم نے فرمایا ہے ”قال لیس کل شیء عندی صحیح
وضعتہ لہنا انما وضعتہ لہنا ما اجتمعوا علیہ“ (ص ۳۴ صحیح مسلم) یہ بات نہیں کہ میرے
نزدیک جو بھی (حدیث) صحیح ہے اس کو میں نے اس جگہ لکھ دیا ہے یہاں صرف وہ
(حدیثیں) لکھی ہیں جن پر اجماع ہے۔

عباسی صاحب کی عبارت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ بخاری و مسلم کی احادیث
کو تو معتبر مانتے ہیں اور ان کے علاوہ سب احادیث کو ”جعلی، وضعی اور مہمل“ قرار دیتے ہیں
مگر دو ہزار سات سو اکٹھ (۶۱۷۷) منتخب حدیثوں کی جو تعداد اوپر انہوں نے بتلائی ہے اس
سے پھر یہ بات مشکوک ہوگئی۔ کیونکہ صرف صحیح بخاری ہی میں غیر مکرر احادیث کی تعداد چار
ہزار ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم میں بھی چار ہزار کے قریب احادیث ہیں۔

مقدمہ مشکوٰۃ للشیخ دہلوی میں ہے ”و مبلغ ماوردنی هذا الكتاب مع التكرار

سبعة آلاف ومائتان وخمس وسبعون حديثاً وبعد حذف التكرار اربعة آلاف“ اسی طرح مقدمہ بخاری للشیخ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری میں ہے۔ اور مسلم شریف کے مقدمہ کے متعلق ”فتح الملہم“ میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”قال الجزائری واما صحيح مسلم فجملة ما فيه باسقاط المكرر نحو اربعة آلاف حديث“ (مقدمہ ص ۹۹)

اس سے معلوم ہوا کہ صحیحین کی بھی سب حدیثیں عباسی صاحب کو مسلم اور قبول نہیں ہیں بلکہ ان میں سے صرف دو ہزار سات سو اکٹھ حدیثیں ان کے نزدیک معتبر ہیں باقی سب غیر معتبر ہیں۔

عباسی صاحب نے ص ۲۴۴ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ”بخاری کی اصل احادیث کی تعداد ۲۷۶۱۱ ہے اور مکررات کے اعتبار سے ۷۲۷۰ ہے، ہم نے شمار اصل احادیث کا کیا ہے۔“ اس حاشیہ کے تو یہ معنی ہوئے کہ سوائے بخاری کے ان کے نزدیک مسلم شریف کی احادیث بھی ”ضعی جلی اور مہمل“ ہی قرار پائیں، کیونکہ دو ہزار تین سو چھپیس (۲۳۲۶) حدیثیں تو ایسی ہیں کہ جن کی روایت میں بخاری اور مسلم دونوں شریک ہیں۔

مقدمہ مشکوٰۃ میں ہے ”مجموع الاحادیث المتفقة علیہما الفان وثلاثمائة وستة وعشربین“ تو اب متفق علیہ احادیث کی تعداد کے علاوہ تقریباً چار ہزار احادیث میں سے مسلم شریف کی چار سو پینتیس (۴۳۵) حدیثیں عباسی صاحب قابل اعتبار سمجھتے ہیں باقی ہزاروں حدیثیں مسلم شریف کی بھی ”جلی وضعی اور مہمل“ قرار دیتے ہیں، استغفر اللہ العظیم عباسی صاحب کا بخاری شریف کے ساتھ سلوک :

اس کے علاوہ بخاری شریف میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق حدیث

”سيدة نساء اهل الجنة“ موجود ہے مگر عباسی صاحب کا نظریہ اس کے بارہ میں یہ ہے کہ:

”خاتونان جنت کی سرداری کی کوئی حدیث اس عنوان کے تحت اسناد کے

ساتھ درج نہیں ہے۔ ابواب کی فہرست میں صرف یہ الفاظ ہیں ”باب مناقب فاطمة“ مگر مطبوعہ نسخہ میں اس عنوان کے ساتھ ”قال النبی ﷺ فاطمة سیدۃ نساء اهل الجنة“ بغیر اسناد کے لکھ دیا ہے، حالانکہ امام بخاری ہر حدیث کی اسناد درج کرتے ہیں، شاید اس نسخہ کے کاتب کا یہ اضافہ ہو۔

(ص ۲۳۹)

عباسی صاحب کا بخاری شریف کی حدیث پر وضعی ہونے کا حکم لگانا :
آگے چل کر ص ۲۵۲ پر تو صاف طور سے ہی اس کے موضوع ہونے کا حکم لگادیا ہے لکھتے ہیں:

”کہنا یہ ہے کہ ”مصباح الظلم“ کے مؤلف ابواب امداد امام صاحب نے ”سیدنا شباب اهل الجنة اور سیدۃ نساء اهل الجنة“ کی وضعی حدیثوں ہی کی بنا پر ”خلعت سیادت“ کا دربار خداوندی سے مرحمت ہونا بیان کیا ہے۔“

عباسی صاحب کا بخاری شریف کی حدیث سے استہزاء اور تمسخر :
مزید برآں عباسی صاحب ”بخاری شریف“ کے ”باب علامات النبوة فی الاسلام“ سے دو روایتوں کو نقل کر کے ایک جگہ اس کے مضمون پر اس طرح استہزاء اور تمسخر کے ساتھ بھی پیش آئے ہیں، لکھتے ہیں:

”پھر حدیث بیان کرنے والے نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے منہ سے کہلویا میں روئی تو آپ نے فرمایا کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم تمام جنت والی عورتوں کی یا یہ فرمایا کہ تمام مسلمانوں کی سردار ہوگی، پس اس وجہ سے میں ہنسی۔ پہلی میں ہنسنے کا سبب یہ بتلایا ہے کہ آپ کے قرابت داروں میں سے پہلے وہی عالم ارواح میں آپ سے ملیں گی اور دوسری میں سبب ہنسنے کا خاتونان جنت کی سرداری کی بشارت بتایا گیا ہے۔ راوی نے کسی حدیث میں یہ نہیں

بتایا کہ حضرت فاطمہ ؓ کی جو تین سگی بہنیں ان سے پہلے عالم ارواح میں پہنچ چکی تھیں وہ ان سے پہلے اپنے والد ماجد سے کیوں نہ ملیں گی۔“ (ص ۲۳۹)

مگر عباسی صاحب کو کون سمجھائے کہ مفارقت کے سبب صدمہ زندگیوں کو ہوا کرتا ہے اس لیے ان کو وہی ملاقات کی خوشخبری سے تسلی دینے کی ضرورت ہوتی ہے، نہ وفات شدہ کو۔ اس حدیث کا روئے سخن زندہ قرابت داروں کی طرف ہے، باقی رہا حضرت فاطمہ ؓ کے ہنسنے کا سبب تو حدیث میں جن دو سببوں کا تذکرہ ہے وہ دونوں سبب ہو سکتے ہیں اور دونوں میں بڑی مناسبت ہے کہ حضرت فاطمہ ؓ کو اپنے بعد جلدی ملاقات کے مژدہ کے ساتھ خاتونان جنت کی سرداری کی خوشخبری بھی سنا دی۔ مگر عباسی صاحب ایک کو دوسرے کے منافی سمجھ کر رد کرنے کے درپے ہیں۔

ترمذی شریف کے متعلق :

عباسی صاحب ترمذی شریف کے بارہ میں بھی ایک جگہ رقمطراز ہیں:

”سید اشباب اہل الجنة“ کی حدیثیں بھی امام بخاری اور امام مسلم نے یقیناً مزمرہ موضوعات میں قرار دے کر صحیحین میں درج نہیں کیں اور نہ بعد میں کسی دراق کو اندارج کا موقع ملا، امام بخاری کی وفات سے تقریباً ۲۴ برس بعد محدث ابو یسٰی محمد ترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے یہ وضعی حدیثیں اپنی کتاب میں البتہ درج کر دیں۔ (ص ۲۳۴)

لیکن امام بخاری اور امام مسلم ”سید اشباب اہل الجنة“ کی حدیث اپنی اپنی صحیح میں درج بھی کر لیتے تو کیا عباسی صاحب سے یہ امید تھی کہ وہ اس کو تسلیم کر لیتے اور اس کو اپنی ”تحقیق در یسرچ“ کی خرا د پر چڑھا کر وضعی نہ قرار دیتے جیسا کہ انہوں نے حدیث ”سبۃ نساء اہل الجنة“ کو باوجودیکہ وہ بخاری میں موجود ہے وضعی قرار دے دیا۔

عباسی صاحب کی یہ بھی عجیب تحقیق در یسرچ ہے کہ امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ اور

محدث ابویسیٰ محمد ترمذی متوفی ۲۷۹ھ کی وفات کے زمانہ میں ۲۴ سال کے فرق ہونے سے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ امام ترمذی نے یہ وضعی حدیثیں امام بخاری کی وفات کے تقریباً ۲۴ سال بعد اپنی کتاب میں درج کر لیں، حالانکہ محدث ابویسیٰ محمد ترمذی نے اپنی کتاب جس میں یہ حدیث درج ہے ان کی اپنی وفات سے برس پہلے تالیف کر لی تھی۔

ناظرین کرام غور فرمائیں گے کہ مؤلف نے بخاری شریف کی حدیث ”مسئلۃ نساء اهل الجنة“ کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا ہے ایک جگہ تو اس کے بغیر اسناد و تعلیقات روایت ہونے پر اس کے متعلق یہ حکم صادر کر دیا کہ وہ کاتب کا اضافہ ہے، حالانکہ تعلیقات بخاری بھی محدثین کے نزدیک حکم میں متصل کے ہیں مگر عباسی صاحب کو محدثین سے کیا غرض اور ان کے اصولوں سے انہیں کیا واسطہ ہے اور یہ بھی تو دیکھیے کہ اس اضافہ پر انہوں نے کوئی دلیل بیان کی ہے؟ کیا بخاری کے کسی دوسرے نسخے میں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں؟

اور اب تک جب کسی محدث اور شارح نے اس پر تنبیہ نہیں فرمائی کہ یہ اضافہ ہے تو اس کو اضافہ کیسے کہا جاسکتا ہے، اس طرح تو ہر جگہ اضافہ کا احتمال ہو کر پوری کتاب سے ہی اعتماد اٹھ جاتا ہے، مگر اب آ کر غلطی کی اصلاح کی تو عباسی صاحب نے کی، جن کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ بخاری میں تعلیقات بھی ہوتی ہیں بلکہ وہ تعلیق (بغیر اسناد کے ذکر کرنے)

کو کاتب کا اضافہ سمجھتے ہیں ۔۔۔ بریں علم و دانش بباید گریست

اس طرح تو بخاری شریف میں بہت جگہ اضافات ثابت ہو سکتے ہیں کیونکہ اس

میں تعلیقات بھی کثرت سے ہیں۔

طرفہ تماشایہ کہ دوسری جگہ جب بخاری شریف میں ہی یہ حدیث سند کے ساتھ

آئی ہے تو اس کو تسخیر اور استہزا کے ساتھ رد کر دیا اور ص ۲۵۲ پر تو اس کو صاف طور سے وضعی

حدیثوں میں شمار کر لیا جیسا کہ اوپر گزرا۔

حقیقت یہ ہے کہ بخاری شریف کے ص ۵۱۲ پر یہ حدیث ”سبلۃ نساء اہل الجنة“ اسناد کے ساتھ پہلے گزر چکی ہے پھر ص ۵۳۲ پر اس کو بخاری نے تعلیقاً بغیر اسناد کے ذکر کر دیا ہے کیونکہ بخاری کا طریقہ ہے کہ وہ کسی حدیث کو بغیر اسناد کے ذکر کر دیتے ہیں جس سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ یہ حدیث معلوم ہے اور اس کا ذکر گزر چکا ہے، مقدمہ بخاری میں ہے:

”وقد یذکر المتن بغیر اسناد وقد یورد معلقاً وانما یفعل هذا لانه

از ادالاحتجاج للمسألة التي ترجم بها و اشار الى الحديث لانه كان

معلوماً وقد یكون مما تقدم و ربما تقدم قریباً“۔ (ص ۵)

کبھی متن کو بغیر سند کے ذکر کرتے ہیں اور کبھی تعلیقاً اور یہ اس لیے کہ وہ مسئلہ مترجم بہا پر دلیل کے طور پر اس کو ذکر کرتے ہیں اور حدیث کی طرف بھی اشارہ مقصود ہوتا ہے۔

عباسی صاحب کا التحیات کے بعد درود شریف کا

اور ہر درود میں آل محمد کے ہونے کا انکار کرنا :

ایک اور جگہ اپنی اس تحقیق ”سید و سادات“ میں عباسی صاحب لکھتے کہ ”درود میں خواہ شہد کا ہو یا عام درود آل محمد کا شمول عہد صحابہ میں ثابت نہیں“ (ص ۲۸۲) آگے چل کر لکھتے ہیں:

”اسی طرح دیگر صحابہ ابو ہریرہ، ابو موسیٰ الاشعری، ابن زبیر رضی اللہ عنہم، نیز امام

المؤمنین (حضرت) عائشہ رضی اللہ عنہا کے شہادت بھی کتب احادیث میں درج ہیں

، مروجہ درود ان میں سے کسی میں شامل نہیں کیونکہ اصلی درود تو خود التحیات ہی

کی عبارت میں شامل ہے..... التحیات کا یہ درود ”صلوا علیہ وسلم“

تسلیماً“ کی صحیح تفسیر ہے، صحابہ آپ کی حیات میں یہی پڑھتے تھے جب

آپ کی وفات ہو گئی ضمیر خطاب ترک کر کے ”السلام علی النبی ورحمۃ

اللہ وبرکاتہ“ پڑھنے لگے۔ (ص ۳۱۱)

دیکھا آپ نے التحیات کے بعد نمازوں میں ”اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد“ الخ کے الفاظ سے جو درود شریف تمام امت مسلمہ پڑھتی ہے اور اس میں آل محمد کا کلمہ شامل ہے مگر عباسی صاحب کے نزدیک اس پر امت کے تعامل و توارث کے باوجود اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک اصلی درود التحیات ہی کے اندر ”السلام علیک ایہا النبی“ میں شامل ہے اور اسی سے عباسی صاحب کے نزدیک حکم خداوندی ”صلوا علیہ وسلموا تسلیما“ کی صحیح تفسیل ہو جاتی ہے التحیات میں ”السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ“ سے ”سلموا تسلیما“ کی تفسیل کا ہو جانا تو واقعی امر ہے اور سمجھ میں بھی آتا ہے کہ اس میں حضور ﷺ پر سلام عرض کیا جاتا ہے جس کا حکم ”سلموا تسلیما“ میں دیا گیا ہے مگر اس سے ”صلوا علیہ“ صلوٰۃ عرض کرنے کی تفسیل کا بھی ہو جانا عباسی صاحب کا اپنا خود ساختہ اجتہاد ہے جو تمام امت مسلمہ کے خلاف ہے۔ حکم عرض صلوٰۃ کی تفسیل تو ”اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد“ الخ درود شریف کے پڑھنے سے ہی ہوگی جیسا کہ تمام امت درود شریف کے ذریعہ تفسیل کرتی ہے، مگر عباسی صاحب کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے کہ ان کا اجتہاد تمام امت مسلمہ کے اجماع کے خلاف ہے یا موافق ہے اسی واسطے وہ ایک جگہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے اجماعی اور قطعی عقیدہ کے انکار کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔

امام مہدی اور نزول عیسیٰ اور قتل و جال کا انکار :

عباسی صاحب لکھتے ہیں:

”ہمیں امامیہ (شیعہ) کے مہدی منتظر کی تردید و تکذیب سے تو یہاں بحث نہیں اور نہ عوام میں جو یہ بات مشہور کر رکھی ہے کہ قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ آسمان سے اتریں گے، مہدی کی معیت میں دجال کو قتل کریں گے یہ



باتیں بھی ہمارے موضوع سے خارج ہیں، قرآن شریف میں نہ تو مہدی کا ذکر ہے اور نہ نزول عیسیٰ کا۔“ (تحقیق سید وسادات: ص، ۲۰۸، ۲۰۹)۔

آپ کو معلوم ہوا کہ عباسی صاحب کو نہ صرف یہ کہ امامیہ کے مہدی منتظر کی تردید و تکذیب سے ہی بحث نہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے اترنے اور مہدی کی معیت میں دجال کو قتل کرنا بھی ان کے موضوع بحث سے خارج ہے ان کے نزدیک مہدی کے ذکر سے ہی نہیں بلکہ نزول عیسیٰ کے ذکر سے بھی قرآن کریم خالی ہے، اور جس مسئلہ کا ذکر قرآن شریف میں نہیں ہے عباسی صاحب اس کے ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں اور احادیث میں جو یہ آیا ہے کہ ”قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے مہدی کی معیت میں دجال کو قتل کریں گے“ تو عباسی صاحب کے نزدیک یہ بات عوام میں مشہور کر رکھی ہے اس کی ان کے نزدیک کچھ حقیقت نہیں، احادیث کے بارہ میں عباسی صاحب کا نظریہ منکرین حدیث پر ویزی وغیرہ کے کس قدر مطابق ہے ناظرین کو اس کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں ہے، اس سے زیادہ اور کیا کہتے ہیں، پھر اب عباسی صاحب کے منکر حدیث ہونے میں کیا شبہ رہا؟۔

درود شریف میں آل محمد کے انکار کی دلیل کا جواب :

درود شریف میں آل محمد علیہم السلام کے ہونے کا انکار کرتے ہوئے اور اس کو اضافہ

ثابت کرتے ہوئے عباسی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے:

”شرح مسلم میں ابو مسعود انصاری کی حدیث جو پہلے درج ہو چکی ہے آپ سے جو یہ ارشاد منسوب ہے کہ ”اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد“ کہو اس میں آل محمد کا اضافہ ہے اور راوی اس حدیث کا ابو عبد اللہ الحکم بن عبد اللہ بن سعد الایلی ہے، اس کی دوسری حدیث الیثمی کے ”مجمع الزوائد اور مجمع الفوائد“ میں بھی ہے، ابو حاتم نے اس راوی کو کذاب کہا ہے،

امام احمد فرماتے ہیں ”احادیثہ کلہا موضوعۃ“۔

(میزان الاعتدال ج ۱، ص ۲۶۸، ص ۵۸۲، تحقیق سید وسادات: ص ۳۱۲)

اور یہ بھی لکھا ہے کہ:

”مسلم شریف کی شرح میں ”النووی“ نے جو خود شافعی عالم تھے بدری صحابہ حضرت مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث درج ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب دریافت کیا تھا کہ صلوٰۃ آپ پر ہم کیسے کہیں؟ آپ نے فرمایا کہو ”اللہم صل علیٰ محمد“ اس میں آل محمد کا شمول نہیں تھا، چنانچہ نووی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک درود بس اسی قدر ہے اور آل محمد کا اس میں شمول کوئی چیز نہیں لیس بشی۔“۔ (ص ۲۸۰)

اس کے متعلق گزارش ہے کہ علامہ نووی نے شرح مسلم میں ابو مسعود انصاری کی حدیث کے تحت پہلے تو یہ لکھا ہے کہ تشہد (التحات) اخیرہ کے بعد درود شریف کے بارہ میں علماء کا یہ اختلاف ہے کہ بعض کے نزدیک درود شریف پڑھنا سنت ہے اور بعض کے نزدیک واجب ہے، امام ابو حنیفہ اور امام مالک اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ سنت ہے اور امام شافعی اور امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ واجب ہے اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو ان کے نزدیک نماز ہی صحیح نہیں ہوگی، اس کے بعد علامہ نووی فرماتے ہیں کہ نماز میں تشہد کے بعد درود کے وجوب پر جو ہمارے اصحاب نے حدیث ابو مسعود انصاری سے استدلال کیا ہے یہ استدلال اس وقت تک واضح نہیں ہوتا جب تک کہ اس حدیث کے ساتھ اس دوسری روایت ”کیف نصلیٰ علیک اذانحن صلینا علیک فی صلوتنا فقال صلی اللہ علیہ وسلم قولوا اللہم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد الخ“ کو نہ ملایا جائے کیونکہ اس روایت میں یہ بات صاف طور پر واضح کر دی گئی ہے کہ یہ سوال نماز کے اندر درود شریف پڑھنے کے متعلق صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا تھا اور یہ زیادتی ”اذانحن صلینا علیک فی صلوتنا“ جو اس دوسری روایت میں ہے

اس کے متعلق بھی نووی نے فرمایا ہے کہ یہ صحیح ہے، ابو حاتم ابن حبان اور حاکم ابو عبد اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں اس کو روایت کیا ہے اس کے بعد علامہ نووی فرماتے ہیں ”والواجب عند اصحابنا اللہم صل علی محمد و ما زاد علیہ سنۃ“ ہمارے نزدیک واجب ”اللہم صل علی محمد“ ہے اور اس سے زیادہ سنت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ”اللہم صل علی محمد“ تک پڑھنا ان کے نزدیک نماز کے اندر واجب ہے اور ”و علی آل محمد“ سے آخر تک پڑھنا سنت ہے، اب عباسی صاحب تلامیں کہ وہ جو امام نووی کے ذمہ یہ تہمت لگا رہے ہیں کہ وہ ”آل محمد“ کے شمول کو کہتے ہیں کہ یہ ”کوئی چیز نہیں“ ہے اس کا ان کے پاس کیا ثبوت ہے؟ جس چیز کو امام نووی اگلی عبارت میں ”لیس بشی“ فرما رہے ہیں اس کا تعلق تو ”اللہم صل علی محمد“ کے بعد ”آل محمد“ کے بطور وجوب شامل کرنے سے ہے، یعنی یہ کوئی چیز نہیں کہ ”آل محمد“ کا پڑھنا بھی ”اللہم صل علی محمد“ کے بعد ”آل محمد“ کی طرح نماز کے اندر واجب ہے جیسا کہ ایک شاذ قول شوافع کا یہ بھی ہے کہ صلوٰۃ علی محمد کی طرح صلوٰۃ علی لآل بھی نماز میں واجب ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک واجب صرف ”اللہم صل علی محمد“ تک پڑھنا ہے اور ”آل محمد“ سے آخر تک پڑھنا سنت ہے اور وجوب صلوٰۃ علی لآل کا قول شاذ ہے ”ولنا وجہ شاذانہ یجب الصلوٰۃ علی الآل و لیس بشیء۔“ (ج ۱، ص ۱۷۵)

جب امام نووی نماز میں ”آل محمد“ سے آخر تک پڑھنے کو پہلی عبارت میں میں صراحۃً سنت فرما چکے ہیں تو پھر ان کے ”لیس بشیء“ فرمانے سے ”آل محمد“ کے اضافہ ہونے کا اور اس کے شمول کا کوئی چیز نہ ہونا کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟ ”اور ہمارا ایک شاذ قول یہ ہے کہ آل پر صلوٰۃ واجب ہے مگر یہ کچھ نہیں“ حاصل یہ کہ شوافع کے نزدیک صلوٰۃ علی محمد تو بالاتفاق نماز میں واجب ہے اور صلوٰۃ علی لآل کے نماز میں واجب یا سنت ہونے میں

اختلاف ہے رائج اس کا سنت ہونا ہے، بعض نے اس کو بھی واجب کہا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ صلوٰۃ علی الآل کا نماز میں بعض کے نزدیک سنت سے بھی زائد درجہ واجب کا تو ثابت ہے مگر ”لیس بشی“ کسی نے نہیں کہا ہے۔

اب یا تو عباسی صاحب نے کم فہمی سے علامہ نووی کی عبارت کا مطلب خود ہی غلط سمجھا ہے یا پھر انہوں نے دیدہ و دانستہ تاواقف لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اب رہا عباسی صاحب کا یہ کہنا کہ ”شرح مسلم میں ابو مسعود انصاری کی حدیث جس میں ”اللہم صل علی محمد و علیٰ ال محمد“ کہنے کا حکم ہے۔ اس میں ”آل محمد“ کا اضافہ ہے اور اس حدیث کا راوی ابو عبد اللہ الحکم بن عبد اللہ بن سعد الایلی بن خطاب ہے اور وہ کذاب ہے۔“

سو شرح مسلم میں تو ہرگز اس حدیث کا راوی ابو عبد اللہ الحکم بن عبد اللہ بن سعد الایلی بن خطاب نہیں ہے بلکہ اس میں اس حدیث کے راوی ذہبی ہیں جو ”خود مسلم شریف“ میں ہیں۔ اس لیے کہ یہ حدیث ”صحیح مسلم شریف“ کی ہے اور اس کی سند ”مسلم شریف“ میں اس طرح ہے ”حدثنا یحییٰ بن یحییٰ التیمی قال قرأت علی مالک عن نعیم بن عبد اللہ البجران محمد بن عبد اللہ بن زید الانصاری عبد اللہ بن زید ہوالذی کان رأى النداء بالصلوٰۃ اخبره عن ابی مسعود الانصاری الخ“۔ (ج۔ ۱، ص ۱۷۵)۔

اس میں راوی مذکور کا کہیں بھی پتہ و نشان نہیں اب اگر کسی دوسری سند میں یہ راوی آیا بھی ہو تو اس حدیث کی صحت پر اس سے کیا اثر پڑ سکتا ہے جبکہ مسلم شریف کی سند میں یہ راوی نہیں ہے۔ عباسی صاحب نے اس راوی کا پتہ نہ معلوم کس کتاب سے لگایا ہے اس کا حوالہ نہیں دیا گیا۔

دوسرے عباسی صاحب اس حدیث کو شرح مسلم کی طرف منسوب کر رہے ہیں حالانکہ یہ حدیث خود مسلم شریف میں موجود ہے اس سے وہ شاید یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ

حدیث صحیح مسلم کی نہیں ہے کیونکہ اگر اس حدیث کا صحیح مسلم میں ہونا ثابت ہو جاتا ہے تو لوگوں کی نظر میں اس حدیث کی وقعت زیادہ بڑھ جاتی ہے اور ردود شریف میں آل محمد کا ثبوت صحیح مسلم کی حدیث سے ہی ہو جاتا ہے اور پھر اس سے انکار کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے اس لیے اس حدیث کو شرح مسلم کی طرف منسوب کر کے اس کے وزن اور اس کی حیثیت کو کم کرنا منظور ہے۔ اگر عباسی صاحب نظر اٹھا کر شرح مسلم کی اسی صفحہ پر اوپر دیکھ لیتے تو ان کو یہ حدیث مسلم شریف میں ہی نظر آ جاتی اور یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ مسلم شریف کی سند میں یہ مجروح راوی نہیں ہے اور بخاری شریف ج ۲ ص ۹۳۰ پر بھی یہ حدیث مروی ہے اس کی سند یہ ہے:

”حدثنا آدم قال حدثنا شعبة قال حدثنا الحكم قال سمعت

عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ قال لقینی کعب بن عجرة فقال الا اهدی

لك هدية ان النبی ﷺ خرج علينا فقلنا يا رسول الله قد علمنا كيف

نسلم عليك فكيف نصلی عليك فقال قولوا اللهم صل علىٰ

محمدا وعلىٰ آل محمد الخ۔“

بخاری کی سند مذکور میں بھی یہ الحکم وہ مجروح راوی نہیں ہے بلکہ یہ الحکم بن عتبہ الکندی ہے ان کے بارہ میں امام نسائی اور ابن مہدی کا قول ہے کہ یہ ثقہ اور ثبت ہیں اور ابن معین اور ابوحاتم بھی ان کو ثقہ کہتے ہیں ”قال ابن مہدی الحکم بن عتبة ثقة ثبت..... وقال ابن معین ابوحاتم والنسائی ثقة زاد النسائی ثبة الخ۔“

(تہذیب الجہد ج ۲ ص ۴۳۲)

اس شخص کو دیکھ کر صحیحین کی اس متفق علیہ صحیح حدیث کو سند میں ایک مجروح راوی کے ہم نام راوی کو دیکھ کر اور اس کی آڑ لے کر کس طرح لوگوں کو دھوکہ دے رہا ہے اور دلیری کے ساتھ اس کو رد کرنے کی جسارت کر رہا ہے، فالی اللہ المشتکی۔

پھر عباسی صاحب صحیحین کی متفق علیہ روایت کو تو تسلیم کرنے کے دعویدار ہیں مگر

اب اس متفق علیہ روایت کو تسلیم کرنے سے نہ معلوم کیوں گریز کر رہے ہیں؟ شاید اس لیے کہ حدیث ان کے نظریہ کے خلاف ہے۔

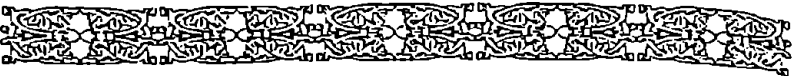
”تحقیق سید و سادات“ کی مندرجہ اقتباسات سے عباسی صاحب کے خیالات و عقائد کا معلوم کر لینا آسان ہے کہ وہ کس نظریہ اور کتب فکر کے آدمی ہیں کہ ان کے نزدیک احادیث رسول اور آل محمد اور تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا، نزول عیسیٰ، ظہور مہدی اور خروج دجال کی بھی کچھ حقیقت نہیں ہے۔

اصل موضوع کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ کی طرف رجوع :

اب اس کے بعد ہم پھر اصل موضوع ”کتاب خلافت معاویہ و یزید“ کے متعلق عرض کرتے ہیں کہ عباسی صاحب نے جو نظریہ حضرت حسین ؑ کے متعلق اس کتاب میں پیش کیا ہے جس کا ذکر نمونہ سطور بالا میں درج شدہ اقتباسات سے واضح طور پر سامنے آچکا ہے، کیا یہ نظریہ اہل سنت والجماعت کا نظریہ ہو سکتا ہے؟ اور کیا کسی بھی دینی عظمت و بزرگی رکھنے والی شخصیت کے متعلق کوئی شخص یہ نظریہ قائم کر سکتا ہے جو عباسی صاحب نے حضرت حسین ؑ جیسی عظیم المرتبت شخصیت کے متعلق قائم کیا ہے، اب اگر کسی کے نزدیک حضرت حسین ؑ سرے سے دینی پیشوا تھے ہی نہیں اور اس لیے ان کی شان اقدس میں کسی گستاخی اور بے ادبی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو اور بات ہے ورنہ جو مسلمان بھی۔ حضرت حسین ؑ کو اپنا دینی پیشوا مانتا ہے اور جس قلب میں بھی ان کی عظمت و برتری کا عقیدہ موجود ہے وہ ہرگز عباسی صاحب کے ان مندرجات کو اہل سنت کے مسلک کے موافق نہیں کہہ سکتا اور نہ ہی وہ ان کے نظریات سے اتفاق کر سکتا ہے۔

نزاع کی حقیقت :

کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ کی ایک اہم بحث حضرت حسین ؑ اور یزید کے نزاع کی حقیقت اور اس کی شرعی حیثیت سے تعلق رکھتی ہے۔



اس بحث میں بھی عباسی صاحب نے حسب عادت بڑی افراط و تفریط سے کام لیا ہے ایک طرف تو انہوں نے یزید کی پوزیشن مضبوط کرنے کے لیے ایسے دعوؤں سے کام لیا ہے جن کا کوئی ثبوت وہ پیش نہیں کر سکے محض سخن پروری اور عبارت آرائی سے ہی ان کو ثابت کرنا چاہتے ہیں، دوسری طرف حضرت حسین ؑ کا کیس کمزور کرنے کے لیے مستشرقین تک کا کندھا استعمال کرنا بھی انہیں گوارا ہے۔

عباسی صاحب نے اس نزاع میں یزید کی پوزیشن کو ”ولی عہدی“ کے وقت سے ہی مضبوط کر کے دکھلانا چاہا ہے اور یہیں سے افراط کا معاملہ بھی شروع کر دیا ہے، لکھتے ہیں: ”جہاں تک یزید کی اہلیت و قابلیت کا سوال ہے ان کے عہد میں سب کے نزدیک مسلم تھی“ مگر سب جانتے ہیں کہ سب کے نزدیک مسلم ہونے کا دعویٰ بالکل بے ثبوت ہے اس کو بجز غلو اور افراط کے کچھ نہیں قرار دیا جاسکتا، لیکن عباسی صاحب نے اس پر بھی بس نہیں کیا اس سے بڑھ کر ہی لکھ دیا کہ:

”امیر یزید کی ولی عہدی کی اس بیعت سے پہلے بھی اس اہتمام سے بیعت نہیں لی گئی تھی کہ مملکت اسلامی کے گوشہ گوشہ سے بیعت کے لیے دُودا آئے ہوں اور ہر علاقہ کے لوگوں نے بطیب خاطر اس طرح ایک ایسے قریشی نوجوان کی بیعت کی ہو جو اپنی صلاحیتوں اور خدماتِ ملیہ کے کارہائے نمایاں کی وجہ سے ملت کا محبوب تھا۔“

ملت کی محبوبیت کا اتنا بڑا دعویٰ اور ثبوت کچھ بھی نہیں؟

عباسی صاحب نے حمایتِ یزید کے جوش میں غور نہیں کیا کہ بیعت لیے جانے کے جس غیر معمولی اہتمام کا انہوں نے ذکر کیا ہے اور اس کو محبوبیت کا ثبوت بتانا چاہا ہے وہ تو بالاس محبوبیت کے خلاف ہی کچھ ثبوت فراہم کرتا ہے اور حقیقتاً اس اہتمام سے جو واقع بھی ہے، یہی معلوم ہوتا ہے کہ بات محبوبیت عام کی تو کجا مسلمہ اہلیت کی بھی نہ تھی، بلکہ وقتی

مصالح اور حالات کے تقاضہ کا لحاظ کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے رفقا کی ولی عہدی کی اس تجویز کو قبول فرمایا تھا۔

ولایت عہدی کی کاروائی سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام دینا درست نہیں :

ولایت عہدی کی کاروائی سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام دینا درست نہیں مگر ولایت عہدی کی اس کاروائی پر جس کی تجویز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تحریک کے بغیر ان کے بعض رفقا کی طرف سے ہوئی تھی اور انہوں نے اس وقت کے بعض مصالح کی پیش نظر اس کو قبول فرمایا تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو متہم کرنا اور ان کو اس پر الزام لگانا کسی طرح جائز نہیں ہے، اس لیے کہ خلیفہ کے بعد اس کے رشتہ دار کا جانشین مقرر کرنے کا عدم جواز کسی نص میں نہیں ہے، جانشین کی صلاحیت اور قابلیت پر اس کا دار و مدار ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی ولی عہدی کی اس تجویز کو اپنی دانست میں امت کی بہتری کے لیے قبول فرمایا تھا اور یزید پر نیکی اور صلاحیت کا گمان فرما کر اس کو ولی عہد مقرر فرمایا تھا، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اگر اس کی حالت بدلی اور بگڑی ہوئی ظاہر ہوئی تو اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کسی طرح کا الزام اور حرف نہیں آ سکتا۔

علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے:

”اگر امام اپنے باپ یا بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر کر دے تو ہم اس پر بدگمانی نہیں کر سکتے کیونکہ جیسا وہ اپنی زندگی میں سارے امور و معاملات میں قابل اعتماد مانا گیا ہے تو وہ اپنی زندگی کے بعد کے معاملات میں جو فیصلہ دے گیا ہے اس میں بھی ہم کو اس پر بدگمانی نہیں کرنی چاہیے اور اس پر کوئی اتہام نہیں لگانا چاہیے..... ان کی مسلمہ عدالت اور صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہوئے زبان ان کے بارے میں بدگمانی کا خیال ظاہر کرنے سے منکف ہے“

عباسی صاحب کا ایک نکتہ :

عباسی صاحب نے یزید کی پوزیشن کو مضبوط کرنے کے لیے ایک نکتہ یہ بھی پیدا کیا ہے کہ ”حضرت حسین یزید کی ولایت عہد کے بعد بھی حضرت معاویہ کے آخری دم تک حسب معمول ہر سال دمشق جاتے اور عزیزوں کی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس مقیم ہوتے اور اگر انقدر وظائف و عطایا حاصل کرتے رہے“ اور یہ کہ ”حضرت حسین کے خروج سے پہلے تک ان کے اور یزید کے تعلقات بہت خوشگوار اور انس و محبت کے رہے“۔

مگر کمزوری یہ ہے کہ عباسی صاحب نے اس کا کوئی مستند حوالہ پیش نہیں کیا، یزید کے حق میں وہ بغیر کسی حوالہ کے ہی بات منوانے کے خواہشمند رہتے ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آخری دم تک حضرت حسین کا حسب معمول ہر سال دمشق جانا اور وظائف و عطایا حاصل کرنا اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کی بریت کا ثبوت تو ہو سکتا ہے اور یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس ولایت عہد کے مسئلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو متہم نہیں سمجھتے تھے مگر ان کے ساتھ حسب معمول تعلقات رکھنے سے یزید کی پوزیشن کسی طرح مضبوط نہیں ہوتی۔

غرضیکہ عباسی صاحب نے یزید کی صفائی اور بیجا حمایت میں پورا زور صرف کر دیا ہے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس کے خلاف اقدام کرنے کو ناجائز خروج اور بغاوت ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔

حضرت حسین کا موقف :

حالانکہ اکابر امت کی آراء کے تحت ناظرین پر واضح ہو چکا ہے کہ یزید کے بارہ میں فسق و فجور اور شرب خمر کی نسبت عام طور پر شہرت کے اس درجہ پر پہنچ چکی تھی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ دوسرے بعض حضرات کو بھی یزید کے فسق و فجور کا یقین ہو چکا تھا، اسی وجہ سے حضرت حسین نے یزید کے خلاف اقدام کیا تھا۔

یزید کے خلاف اقدام کا جواز :

حضرت حسین ؑ نے یہ اقدام یزید کے خلاف ایسے وقت میں کیا تھا کہ اس وقت تک اس کی حکومت کو استحکام اور تسلط حاصل نہیں ہوا تھا اور صورت حال یہ تھی کہ نہ تو ججاز کے مرکزی شہروں نے عام طور پر اس کی حکومت کو تسلیم کیا تھا اور نہ ہی عراق کے لوگوں نے اس کی بیعت کی تھی صرف شام کے لوگوں نے ہی عام طور پر یزید کی حکومت کو تسلیم کیا تھا۔

جس وقت حضرت حسین ؑ نے یہ اقدام کیا تھا اس وقت تک یزید کی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی اس لیے کہ اول تو حضرت معاویہ ؓ کے زمانہ میں یزید کی ولی عہدی کے وقت اہل حل و عقد نے اس کی بیعت سے اتفاق نہیں کیا تھا۔ دوسرے اگر اس وقت بیعت پر تمام اہل حل و عقد کا اتفاق بھی ہو جاتا تب بھی حضرت معاویہ ؓ کی وفات کے بعد وہ حجت شرعیہ نہیں تھا اس لیے کہ جدید خلیفہ کے انتخاب کا جو حق اہل حل و عقد کو حاصل ہوتا ہے وہ خلیفہ اول کی وفات کے بعد ہوتا ہے۔ ایک خلیفہ کی زندگی میں کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے وہ حق ساقط نہیں ہوتا۔ اسی اصول کی بنا پر جب خلیفہ سلیمان نے حضرت عمر بن عبد العزیز کو ولی عہد بنایا تو حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس کو کافی نہیں سمجھا بلکہ خلیفہ سلیمان کی وفات کے بعد عام استصواب کے لیے فرمایا۔ جب سب اہل حل و عقد نے آپ کی خلافت کو تسلیم کر لیا تب آپ نے اس کو قبول کیا اور حضرت امیر معاویہ ؓ کی وفات کے بعد بھی مصلحتاً تمام اہل حل و عقد کا یزید کی بیعت پر اتفاق نہیں ہوا تھا صرف شام کے لوگوں نے یزید کی حکومت کو تسلیم کیا تھا۔

جب صورت حال یہ تھی کہ ابھی تک کل اہل حل و عقد کے اتفاق نہ کرنے کی وجہ سے یزید کی حکومت پورے طور پر قائم ہی نہیں ہوئی تھی اور جو شخص (یعنی یزید) حکومت پر مسلط اور قابض ہونا چاہتا تھا اس کے فسق و فجور کا حضرت حسین ؑ کو یقین تھا تو اس کے خلاف اقدام کے جواز میں کسی شبہ کی گنجائش کیونکر ہو سکتی ہے۔

اب مؤلف صاحب اگر اس معقول وجہ سے اغماض اور چشم پوشی کر کے حضرت حسین علیہ السلام کے اس اقدام کو ناجائز خروج اور بغاوت کہتے ہیں تو کہا کریں، مگر اہل سنت والجماعت اس اقدام کو صحیح اور جائز ہی کہتے ہیں۔

محمود احمد عباسی کے نزدیک چاہے کردار خلیفہ کی کوئی خامی یا برائی ایسی نہ ہو کہ اس کے خلاف خروج کا جواز نکالا جاسکتا مگر حضرت حسین علیہ السلام کے نزدیک کردار خلیفہ خامیوں سے ملوث اور برائیوں سے داغدار تھا تو کیا ان حالات میں ایسے شخص کو برسرِ اقتدار آنے سے حتی المقدور روکنے کی کوشش کرنا ان پر فرض نہیں تھا؟ خصوصاً جبکہ ایسے اقدام کے جواز کے لیے مدعی خلافت کا نااہل ہونا یا ملت کے نقصان کا صرف اندیشہ ہونا ہی کافی ہے، اگرچہ مدعی خلافت صالح و متدین ہی کیوں نہ ہو، فسق و فجور کا گمان ایسے اقدام کے جواز کے لیے ضروری نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت حسین علیہ السلام نے ایسے وقت میں کہ حکومت ابھی تک قائم نہیں ہوئی تھی ایسے شخص کو برسرِ اقتدار آنے سے روکنے کی کوشش کی جو ان کے خیال میں فسق و فجور اور بعض دیگر وجوہ کی بنا پر مستحق خلافت نہ تھا، ظاہر ہے کہ یہ اقدام ایسے وقت میں حضرت حسین علیہ السلام پر فرض تھا خاص طور پر جبکہ انہیں اعوان و انصار کے بھی میسر آنے کی قوی امید تھی اور مددگاروں کے دعوتی خطوط کی کثرت سے ان کو ظن غالب بھی اپنی کامیابی اور مد مقابل کی مدافعت کا ہو چکا تھا۔

مزید برآں اس اقدام پر ان کو ایک یہ امر بھی مجبور کر رہا تھا کہ انہیں یزید کی بیعت نہ کرنے پر قتل کا اندیشہ بلکہ یقین تھا جیسا کہ ”البدایہ“ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے جواب میں حضرت حسین علیہ السلام کا ایک مقولہ باین الفاظ نقل کیا ہے ”لان اقل مکان کذا کذا، احب الی ان اقل بمکة وتستحل بی“ (البدیہ ج ۸ ص ۱۶۵) حالانکہ خلافت کے قائم ہو جانے کے بعد بھی ہر ہر فرد کے ذمہ بیعت کرنا فرض نہیں ہوتا، فرض صرف اتنا ہے کہ

کوئی فرد اطاعت سے سرکشی اور بغاوت نہ کرے، اب جبکہ حضرت حسین ؑ کو یزید کی بیعت نہ کرنے پر خوف قتل بھی تھا تو مدافعت عن النفس اور اپنی جان بچانے کی خاطر یہ اقدام اور بھی مؤکد ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کا نظریہ بھی حضرت حسین ؑ کے موافق تھا چنانچہ ”کامل ابن اثیر“ میں ہے:

”فقال له ابن الزبير امالو كان لي بهامثل شيعتك لماعدلت عنهام
خشي ان يتهمه فقال له امانك لواقمت بالجماعة ثم اردت
هذا الامر ههنا لما خالفنا عليك وساعدناك وبابعدناك ونصحناك الخ“
(کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۷۵)

ابن الزبیر نے ان سے کہا کہ اگر میرے ساتھ تیری طرح گروہ ہوتا تو میں کبھی عدول نہ کرتا، پھر وہ تہمت سے ڈرتے ہوئے کہنے لگے اگر آپ جماعت کے ساتھ رہتے پھر اس معاملہ کا ارادہ رکھتے تو ہم آپ کی مخالفت نہ کرتے بلکہ تائید و بیعت اور خیر خواہی کرتے۔

مصالحات کی تین تجویزیں :

غرضیکہ حضرت حسین ؑ اس اقدام کو اپنا شرعی فرض سمجھ کر ہی نکلے تھے، مگر بعد میں جب معاویہ بن (کوفہ میں بلانے والے وہ لوگ جنہوں نے آپ کو خطوط لکھے تھے اور آپ سے تعاون کا وعدہ کیا تھا، انہوں نے بد عہدی کی اور حضرت حسین ؑ کا ساتھ چھوڑ کر (خوف اور لالچ میں) یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لی جس سے حضرت حسین ؑ کو حکومت یزید کے (کوفہ میں) استحکام اور کامل طور پر اس کے قیام کا علم ہو گیا تو اس وقت آپ کے اس (کوفہ جانے کے) نظریہ میں بھی تبدیلی آ گئی اور آپ نے عبداللہ بن

زیاد (یزید کے گورنر) کے مقرر کردہ فوجی افسر عمرو بن سعد کے سامنے تین تجویزیں پیش کر دیں۔
 (۱) مجھے مدینے واپس جانے دو (۲) مجھے ترکوں کی سرحد پر جانے دو تا کہ باقی
 زندگی کفار کے ساتھ جہاد میں گزار دوں (۳) مجھے یزید سے ملنے دو میں خود اس کے
 ساتھ فیصلہ کر لوں گا۔

عمرو بن سعد نے اگرچہ ابن زیاد کو ان میں سے کسی ایک تجویز کے قبول کر لینے کا
 مشورہ بھی دیا تھا مگر شمر کے کہنے پر ابن زیاد نے ان تینوں مصالحتی تجویزوں کو رد کر دیا۔
 ان خالص امن پسندانہ مصالحت کی تجویزوں کو مسترد کر کے ابن زیاد کا صرف
 (یزید کی) بیعت پر اصرار کرنا اور اس کے بغیر مصالحت کی کسی تجویز پر آمادہ ہی نہ ہونا خالص
 ظالمانہ اور سنگدلانہ رویہ تھا جس کو ابن زیاد وغیرہ عمال یزید نے حضرت رسول خدا ﷺ کے
 الٰہی بیٹے کے حق میں روا رکھا۔

سید الشہداء :

شریعت اسلام کسی شخص کو اس بات پر مجبور نہیں کرتی کہ وہ اپنی جان اور اپنے الٰہی
 و عیال کو اپنے اختیار سے ظالموں کے قبضہ میں دے دے اور ذلت کی زندگی قبول کر لے اس
 لیے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے عزت نفس اور کمال عزیمت کا راستہ اختیار کیا اور مردانہ
 طریقہ سے ظالموں کا دفاع اور مقابلہ کر کے اپنی جان اور الٰہی و عیال کی عزت کی حفاظت
 کرتے ہوئے مقام شہادت حاصل کر لیا اور ”من قتل دون ماله وعرضه فهو شهيد“
 کے مصداق ثابت ہوئے۔

نیز حدیث ”سید الشہداء یوم القیمۃ حمزۃ بن عبدالمطلب ورجل قام
 الی امام جابر فامرہ ونہاہ فقتلہ“ (للاوسط نصف جمع القوائد ج ۲ ص ۲۲۸) کے بموجب
 سید الشہداء کے لقب سے ملقب ہوئے۔

فائدہ :

اس حدیث میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ؓ کے ساتھ سید الشہداء کا اطلاق ایسے شخص پر بھی کیا گیا ہے جو امام جائز کے مقابلہ میں شہید ہوئے اور حضرت امام حسین ؓ کا مقابلہ بلاشبہ امام جائز سے تھا، تو اب سید الشہداء کا اطلاق حضرت امام کے اور اسی حدیث کی بنا پر حضور ﷺ کے ارشاد مبارک کے مطابق ہی ثابت ہو جاتا ہے، جس حدیث کے اول حصہ کی وجہ سے حضرت حمزہ ؓ کو سید الشہداء کہا جاتا ہے، اس سے یہ شبہ بھی دور ہو گیا جو بعض اہل علم کو پیش آیا کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو لقب کسی صحابی کو عطا فرمایا ہے اس کا استعمال کسی اور کے لیے جائز نہیں ہے لہذا اس بنا پر حضرت حمزہ ؓ کے علاوہ کسی اور کو سید الشہداء کہنا جائز نہیں، مگر اسی حدیث میں حضرت حمزہ پر سید الشہداء کے اطلاق کے ساتھ ایسے شخص پر بھی اس کا اطلاق کیا گیا ہے جو امام جائز کے مقابلہ میں شہید ہو جائے۔

درحقیقت شبہ مذکور حدیث کے صرف ابتدائی حصہ کے پیش نظر واقع ہوتا ہے ورنہ پوری حدیث کے ملاحظہ کر لینے کے بعد یہ شبہ باقی نہیں رہتا، کیونکہ خود اس حدیث میں ہی تصریحاً سید الشہداء کا اطلاق حضرت حمزہ ؓ کے علاوہ دوسرے شخص پر بھی لسان نبوت نے فرمایا ہے پھر اس لقب کے حضرت حمزہ ؓ کے ساتھ مخصوص ہونے کے کیا معنی ہوئے؟۔

لفظ امام :

فائدہ نمبر ۲ اسی طرح امام حسین کو امام کہنے میں بھی کچھ حرج نہیں، اگرچہ حضرت امام حسین ؓ کو لوگوں کی بیعت کے ذریعہ حکومت و خلافت میسر نہیں ہوئی اور اس اصطلاحی معنی کے اعتبار سے آپ امام نہیں تھے کہ آپ کو حکومت ملی مگر لفظ امام کا اطلاق مطلق دینی پیشوا کے متعلق بلا تکیہ شائع اور ذائع ہے حتیٰ کہ محاورات شرعیہ عرفیہ میں یہ لفظ پیش نماز پر بھی

بولا جاتا ہے اور اس کو امام کہا جاتا ہے اور اس کو عباسی صاحب نے بھی اپنی کتاب ”تحقیق سید و سادات“ میں تسلیم کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

”عام لغوی معنوں میں یہ لفظ امام تو محض امیر، خلیفہ، حاکم، مقتدا و پیشوا نیز حدیث و فقہ وغیرہ علوم میں مہارت تامہ رکھنے والے حتیٰ کہ پیش نماز کے لیے مستعمل ہے۔“ (ص، ۳۰۵، سید و سادات)

اور کسی نے اس کو اس وجہ سے منع نہیں کیا کہ اس سے شیعوں کی اس مصطلحہ امامت کا شبہ ہوتا ہے جس کے لوازم میں سے ان کے یہاں عصمت (گناہوں سے معصوم ہونا) ہے، جو کہ اہل سنت کے نزدیک صرف انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کا خاصہ ہے، اس میں کوئی اور شریک نہیں ہے اور حضرت امام حسین علیہ السلام چونکہ یقیناً دینی پیشوا اور مذہبی مقتدا ہیں اس لیے بایں معنی ان پر لفظ امام کا اطلاق بلا شبہ جائز ہے، مگر عباسی صاحب کو حضرت حسین علیہ السلام کے لیے اس لفظ امام کا استعمال گوارا نہیں ہے لکھتے ہیں:

”حضرت حسن و حسین جو نہ امیر تھے نہ حاکم اور نہ عالم حدیث و فقہ میں کوئی درجہ ان کو حاصل تھا، علاوہ ازیں نہ کسی جہاد میں امیر یا سپہ سالار ہوئے اور نہ امیر جج ہوئے اس لیے وہ اپنے زمانہ میں کبھی امام نہیں کہلائے، ان کے ناموں کے ساتھ لفظ امام کا استعمال جبکہ نام کے آخر میں علیہ السلام بھی ہو یقیناً تشبہ بالروافض کے باعث ناجائز ہی نہیں حرام ہے اور ختم نبوت کے انکار کا مستلزم۔“ (تحقیق سید و سادات ص ۳۰۵)

عباسی صاحب کی دھاندلی ملاحظہ ہو کہ حضرت حسینؑ کے ساتھ حضرت حسنؑ سے بھی امیر و حاکم ہونے کی نفی کر دی، حالانکہ حضرت حسنؑ ۶ ماہ تک امیر و حاکم بھی رہے ہیں اور ان دونوں کے مذہبی مقتدا و پیشوا ہونے میں تو کسی کو کلام ہی نہیں ہے اور اس اعتبار سے ان کو امام کہنے کا جواز بھی ثابت ہے اور اہل سنت اسی اعتبار سے ان کو امام کہتے بھی

ہیں مگر عباسی صاحب نے اس سیدھی اور صحیح بات کو چھوڑ کر لفظ امام کے آخر میں علیہ السلام کا ضمیمہ ملا کر اور اس میں تشبہ بالروافض پیدا کر کے اس کو ناجائز ہی نہیں حرام بنا کر دم لیا، اچھا! ان کے ناموں کے ساتھ لفظ امام کا استعمال جب کہ نام کے آخر میں علیہ السلام بھی ہو یقیناً تشبہ بالروافض کے باعث ناجائز ہی نہیں حرام ہے تو لفظ امام کا استعمال جبکہ نام کے آخر میں علیہ السلام نہ ہو تو اس وقت اس کے استعمال جو جائز تھا اس کو ناجائز صورت کے ساتھ کیوں غلط کر دیا؟۔

باقی رہا یہ شبہ کے اس لفظ کے اطلاق میں مشابہت ہے شیعوں کے ساتھ یہ شبہ تشبہ اور تشابہ میں فرق نہ کرنے پر مبنی ہے حالانکہ دونوں میں یون بعید اور بہت فرق ہے، حضرت ج: حسین علیہ السلام وغیرہ اہل بیت کا مرتبہ اہل سنت کے نزدیک جو کچھ ہے وہ معلوم ہے البتہ ان کو شیعوں کا اپنے اعتقاد کے موافق دوسرے حضرات صحابہ خلفاء راشدین علیہم السلام وغیرہ ہم سے افضل سمجھنا افراط اور غلو ہے لیکن اگر حب آل نبی علیہم السلام شیعوں میں پائی جاتی ہے اور وہ اس میں غلو اور افراط سے کام لیتے ہیں یا یہ محبت آل نبی علیہم السلام کسی درجہ میں شیعوں کے ساتھ خاص سمجھی جانے لگے تو کیا اہل سنت والجماعت کو یہ رائے دی جائے گی کہ وہ حب آل نبی کو بھی چھوڑ دیں کیونکہ اس میں شیعوں سے مشابہت ہوتی ہے؟۔

یا یہ کہا جائے گا جیسا کہ امام شافعی نے فرمایا ہے، ولنعم مقال۔

ان کان رفضا حب آل محمد

فليشهد الثقلان اني رافضي

الغرض عباسی صاحب کا یہ کہنا کہ ”حضرت حسین کا یہ اقدام یزید کی حکومت کے خلاف بغاوت ہے“ بالکل غلط ہے اور اس امر کی دلیل ہے کہ اس قائل کو اصول شرعیہ سے ناواقفیت کے ساتھ مستند تاریخی روایات سے بھی ذرہ بھر واقفیت نہیں ورنہ تاریخ صحیح پر نظر رکھنے والا شخص حضرت امام کے اس اقدام کو بغاوت کہنے کی ہرگز جرأت نہیں کر سکتا،

یا پھر عباسی صاحب کا حضرت حسین علیہ السلام کے ساتھ بغض و عناد اس درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ وہ تاریخی واقعات کو دیدہ دانستہ توڑ مروڑ کر ان سے اپنا غلط مطلب نکالنا چاہتے ہیں کیونکہ تفصیل بالا سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرت حسین علیہ السلام کا یہ اقدام کسی قائم شدہ حکومت کے خلاف نہیں تھا جسے بغاوت کہا جاسکتا ہو، اس لیے کہ اس وقت تک نہ تو حجاز کے مرکزی شہروں نے عام طور پر اس کی حکومت کو تسلیم کیا تھا اور نہ ہی عراق کے لوگوں نے بیعت کی تھی، مکہ، مدینہ، کوفہ اور اسی طرح کے دوسرے اسلامی مرکزی شہروں کے استغواب کے بغیر صرف اہل شام کا یہ مرتبہ نہیں تھا کہ وہ خلافت اسلامیہ کا گھر بیٹھے فیصلہ کر لیتے۔

..... حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے انعقاد پر شبہ کا جواب :

حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے انعقاد پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ پھر اہل شام کی بیعت کے بغیر اس کا انعقاد کس طرح ہو گیا؟ کیونکہ آپ کی بیعت کرنے والا مہاجرین و انصار کا گروہ تھا جس کو یہ حق حاصل تھا کہ اس کے مشورہ سے ہی خلافت کا انعقاد ہو، مگر اہل شام کی یہ پوزیشن نہ تھی کہ استغواب رائے عامہ کے بغیر صرف ان کی بیعت سے حکومت مستحکم ہو جاتی اور حالت یہ تھی کہ ہر جگہ مخفی اور ظاہری طور پر ہر طرح سے یزید کی حکومت کے خلاف نفرت عام تھی، ایسی حالت میں حضرت حسین علیہ السلام کے علم و فضل اور اپنے مرتبہ کی وجہ سے یہ ذمہ داری ان پر عائد ہو رہی تھی کہ نااہل لوگوں کو برسرِ اقتدار آنے سے روکیں اور جہاد کے میدان میں لگیں خصوصاً جبکہ ہر طرف سے مسلمانوں کی نگاہیں حضرت حسین علیہ السلام کی رہنمائی کی منتظر تھیں اور اس ذمہ داری کو قبول کرنے کی درخواستیں بھی ان سے کی جا رہی تھیں۔

..... حضرت حسین علیہ السلام کو اس اقدام سے روکنے کی اصل وجہ :

حضرات اہل بیت کے جن افراد کے حضرت حسین علیہ السلام کو اس اقدام سے روکنے کا ذکر عباسی صاحب نے کیا ہے اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ حضرات یزید کے حسن کردار کی وجہ

سے اس اقدام کو ناجائز سمجھتے تھے جیسا کہ عباسی صاحب نے لکھا ہے بلکہ ان حضرات کی نظر کو فیوں کی بے وفائی پر تھی اور ان کا خیال تھا کہ اس آزمائش میں قدم رکھ کر اس سے عہدہ برآ ہونا بظاہر اسباب مشکل معلوم ہوتا ہے اور اس برائی کے روکنے کے لیے جس طاقت کے مہیا ہونے کی ضرورت ہے ان کے خیال میں وہ بھروسہ کے قابل نہیں ہے۔

دوسری طرف حضرت حسین ؑ کا اجتہاد یہ تھا کہ اس وقت حالات ایسے ہیں کہ اس برائی کو اس کے مستحکم ہونے سے پہلے روکا جاسکتا ہے اور کو فیوں کے مواعید اور خطوط کی کثرت کے پیش نظر ان کو اطمینان اور غالب گمان اپنی کامیابی کا ہو گیا تھا۔

حضرت حسین ؑ اور مانعین میں یہی اجتہادی اختلاف حالات کے سازگار اور موافق ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں ہو رہا تھا اور نہ حکومت یزید کے متعلق مدافعت کی تدبیر کے جواز سے کسی کو اختلاف نہیں تھا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر کا موقف :

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے نزدیک بھی حضرت حسین ؑ کے مقابل اہل عراق کا یہ اقدام کہ ان کو شہید کر دیا محل انکار اور قابل اعتراض تھا چنانچہ ”بخاری شریف“ کی درج ذیل حدیث سے حضرت ابن عمر ؓ کے تاثرات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حدیث بخاری شریف :

”عن ابن ابی نعم قال كنت شاهدا لابن عمرو سئل رجل عن دم البعوض فقال ممن انت؟ قال من اهل العراق قال انظروا الى هذا يستلنى عن دم البعوض وقد قتلوا ابن النبى ﷺ وسمعت رسول الله ﷺ يقول هماريحانئى من الدنيا“۔

(بخاری: ج ۲، ص ۸۸۶، ج ۱، ص ۵۳۰)

حضرت ابن ابی نعم فرماتے ہیں میں حضرت ابن عمر ؓ کی خدمت میں



حاضر تھا کہ ایک شخص نے ان سے مجھ کو مارنے کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے دریافت فرمایا: تمہارا تعلق کس قوم سے ہے؟ اس نے جواب دیا میں اہل عراق میں سے ہوں۔ اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دیکھو! یہ شخص مجھ سے مجھ کو مارنے کے بارے میں سوال کر رہا ہے حالانکہ یہ نواسہ رسول ﷺ کو قتل کر چکے ہیں۔ اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حسن و حسین میری دنیا کی بہار ہیں۔

اس حدیث سے واضح ہو رہا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا موقف درست تھا مگر دوسری مصلحتوں کی بنا پر انہوں نے یزید سے بیعت کر لی تھی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جنہوں نے یزید سے بیعت نہیں کی تھی اور مکہ مکرمہ میں اس کے خلاف اپنی حکومت قائم کر لی تھی ان کی شہادت پر جب شامیوں نے خوشی میں تکبیر کہی تو بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا تھا ”خدا کی قسم جن لوگوں نے ابن زبیر کی ولادت کی خوشی میں تکبیر کہی تھی وہ لوگ ان سے بہتر ہیں جو ان کے قتل پر خوشی میں تکبیر کہہ رہے ہیں۔ (حاشیہ ابن کثیر: ج ۳، ص ۵۰، بحوالہ البدایہ والنہایہ)

فسق یزید اور موقف صحابہ کرامؓ :

عباسی صاحب نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس موقف کو کہ انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا اس کی دلیل قرار دیا ہے کہ:

”نظام خلافت یا کردار خلیفہ میں کوئی ایسی خرابی اور خامی نہ تھی جو خلیفہ کے خلاف خروج کو جائز کر دے۔“ (خلافت: ص ۱۳۰)

مگر ان کی یہ دلیل حقیقت واقعہ کے قطعاً خلاف ہے اس زمانہ کے سب بزرگ خواہ انہوں نے یزید سے بیعت بھی کر لی تھی مگر وہ بھی یزید کے فسق کے قائل تھے۔ اب رہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یزید کے خلاف یزید کی نااہلیت اور اس کے فسق و فجور

پر متفق ہونے کے باوجود اس کے خلاف اقدام نہ کرنا اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حالات کے سازگار نہ ہونے کی وجہ سے اس کے خلاف اقدام کو مفید اور نتیجہ خیز نہیں سمجھا اس لیے وہ اس کے خلاف نہیں کھڑے ہوئے اور حضرت حسین ؑ وغیرہ دوسرے حضرات نے اس اقدام کو مفید اور مشر تصور فرمایا اس لیے وہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، یہ ایک اجتہادی اختلاف تھا جو اس وقت صحابہ کرام ؓ کی جماعت میں یزید کے خلاف اقدام کرنے کے بارہ میں رونما ہوا۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

”ولما حدث فی یزید ما حدث من الفسق اختلف الصحابة حیث نفی شانه . فمنهم من رأى الخروج علیه ونقض بيعته من اجل ذلك كما فعل الحسين وعبدالله بن الزبير ومن اتبعهما فى ذلك ومنهم من اباه لما فيه من اثار الفتنة وكثرة القتل مع العجز عن الوفاء به الخ“۔ (مقدمہ ۱۷۷)

اب جب یزید سے بد اعمالیاں آزادانہ صادر ہونے لگیں تو اس کے بارے میں صحابہ کرام ؓ مختلف رائے تھے بعض نے اس کے خلاف اٹھنے اور بیعت کو فسخ کرنے کا ارادہ کیا، جس طرح حضرت حسین و عبد اللہ بن الزبیر ؓ نے یا انہوں نے جو ہر دو اصحاب کے متبعین تھے۔ اور بعض نے اس کے خلاف قدم اٹھانے کو خلاف مصلحت جانا اس خوف سے کہ کہیں فتنہ و فساد کی آگ نہ بھڑک اٹھے اور کشت و خون کا بازار نہ گرم ہو جائے اور ساتھ ساتھ یہ بھی خیال تھا کہ اگر یزید کے خلاف قدم بھی اٹھایا تو اس کو بھانہ سکیں گے، الخ۔

”واما غیر الحسین من الصحابة الذين كانوا بالحجاز ومع یزید بالشام والعراق ومن التابعين لهم فراءوا ان الخروج على یزید وان

كان فاسقاً لا يجوز لما ينشأ عنه من الهرج والدماء فاقصروا عن ذلك
ولم يتابعوا الحسين ولا انكروا عليه ولا اثموا لانه مجتهد وهو اسوة
المجتهدين۔“ (مقدمہ: ص ۱۸۱)

ترجمہ: حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر صحابہ کرام جو حجاز میں تھے یزید کے پاس شام و عراق میں تھے اور اسی طرح ان کے تابعین یزید پر خروج کو نامناسب جانتے تھے اگرچہ وہ فاسق ہی تھا کیونکہ اس میں فتنہ و فساد و خونریزی کا خطرہ تھا۔ اسی لیے وہ اس سے بچے رہے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دیا مگر یہ بھی نہیں کہ ان کو برا بتاتے یا ان کو گنہگار ٹھہراتے کیونکہ آخر آپ بھی تو مجتہد تھے اور مجتہدین کی یہی صفت ہے کہ ان کے اختلاف کو باعث گناہ نہیں سمجھا جاتا۔

غرضیکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یزید کا ساتھ دینے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ یزید متقی اور پارسا تھا بلکہ اس کو فاسق سمجھتے ہوئے فتنہ نزاع و جدال اور آپس کے خون خرابہ سے بچنے اور اس کو نتیجہ خیز نہ سمجھتے ہوئے اس اقدام میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا عملاً ساتھ نہیں دیا تھا۔
اب عباسی صاحب کا اس کو یزید کے حسن کردار کی دلیل بنالینا ”تاریخی ریسرچ“ نہیں بلکہ تاریخ کی تکذیب ہے، اس لیے کہ اوپر تاریخ سے ثابت ہو چکا کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یزید کے خلاف اقدام نہیں کر رہے تھے وہ بھی اس کو فاسق سمجھتے تھے اور یزید کے فسق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دورائیں نہیں تھیں۔
دونوں گروہ مجتہد تھے :

حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دونوں گروہ مجتہد تھے اپنے اپنے اجتہاد پر دونوں نے عمل کیا اس لیے نہ تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اس اقدام پر کوئی شرعی اعتراض ہو سکتا ہے نہ ہی ان دوسرے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کسی طرح کا الزام عائد ہوتا ہے

جنہوں نے باہمی خون ریزی اور انتشار کے خطرہ کے پیش نظر اس اقدام میں عملاً حضرت حسین ؑ کا ساتھ نہیں دیا۔

چونکہ یزید کے خلاف اقدام کے قضیہ میں اجتہادی اختلاف کرنے کی گنجائش تھی اور اس میں کئی پہلو ایسے تھے کہ نیک نیتی کے ساتھ شرعاً اختلاف کیا جاسکتا تھا اس لیے حضرت حسین ؑ نے جو یزید کے خلاف اقدام کیا تھا وہ بھی ان کا ایسا اجتہادی فعل تھا جو شرعاً درست تھا اور صحابہ کرام ؓ کی اکثریت نے عملاً ان کا ساتھ نہ دے کر بھی کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا تھا، حضرت حسین ؑ کا ظن غالب تھا کہ اس برائی کا ازالہ ہو سکتا ہے اور دوسرے حضرات کو اس کے خلاف ظن غالب تھا، دونوں نے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور اس معاملہ میں شرعاً درودار ظن غالب پر ہی ہے، علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے:

”واما الحكم الشرعى فلم يغلط فيه لانه منوط بظنه وكان ظنه القدرة على ذلك“۔ (ص، ۱۸۱)

رہا حکم شرعی تو اس کے سمجھنے میں آپ نے ہرگز غلطی نہیں کی کیونکہ اس کا مدار آپ کے گمان پر تھا اور آپ کا گمان یہی تھا کہ آپ کو خروج پر قدرت حاصل ہے۔

”والحسين فيها شهيد مثاب وهو على حق واجتهاد والصحابه الذين كانوا مع يزيد على حق ايضا واجتهاد“۔ (مقدمہ، ۱۸۱)

اور حضرت امام شہید ہیں اور مستحق ثواب، اور وہ اپنے اجتہاد پر ہیں اور حق بجانب، اور جو صحابہ ؓ یزید کے ساتھ تھے وہ بھی چونکہ اپنے اجتہاد پر قائم تھے اس لیے وہ بھی حق ہی کے پیرو مانے جائیں گے۔

علامہ نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

”ولا يجب في المبتدع الا اذا ظنوا القدرة عليه فان تحقيق القيام“۔

(نووی: ج ۲، ص ۱۲۵)

اس سے واضح ہے کہ فسق و معصیت کی وجہ سے کسی کے خلاف اقدام اس شخص پر واجب ہوتا ہے جس کو اس کے ازالہ پر قدرت کاظن ہو اور یزید کے خلاف اقدام میں اختلاف کی بنیاد اس کا فسق اور عدم فسق نہیں تھا بلکہ اس کی ممانعت قدرت کا وجود اور عدم وجود تھا۔

اس کتاب کی ایک اور اہم تاریخی بحث :

عباسی صاحب کو چونکہ یزید اور عمال یزید کی طرف سے صفائی پیش کرنے کی بہت فکر دامن گیر رہتی ہے اس لیے وہ ہر رطب و یابس اور کمزور سے کمزور بنیادوں پر بھی صفائی کی عمارت قائم کر لیتے ہیں۔

کر بلا کا حادثہ فاجعہ بھی عباسی صاحب کی کتاب کی ایک اہم تاریخی بحث ہے اس میں بھی انہوں نے اپنی عادت کے موافق یزید اور عمال یزید کی طرف سے خوب خوب وکالت کا حق ادا کیا ہے اور جس طرح بھی ان سے بن پڑا اس حادثہ فاجعہ اور اس کے مظالم کی ذمہ داری سے ان کی بریت پیش کرنے کی پوری کوشش کی ہے اس بحث میں دو خاص دعویٰ جو عباسی صاحب نے کیے ہیں، ایک یہ کہ حادثہ کر بلا سے پہلے اور پیچھے کے مظالم کی داستانیں سب وضعی ہیں، دوسرے یہ کہ یہ حادثہ یزید اور عمال یزید کے قصد و ارادہ کے بغیر بالکل اتفاقی طور پر پیش آ گیا۔

حضرت حسینؑ کے سفر کا آغاز :

وہ لکھتے ہیں کہ:

حضرت حسین کا سفر ۸ ربیع الثانی کو نہیں ۱۰ ربیع الثانی کو شروع ہوا۔

ان کی بحث کمزور ہے تاہم یہ مان لینے کے بعد بھی کہ تاریخ روایتی ۱۰ ربیع الثانی ہی تھی اس بات کی کوئی مضبوط دلیل ان کے پاس نہیں ہے کہ ۱۰ محرم سے پہلے قافلہ کر بلا میں نہیں پہنچ سکتا۔

حسابی فارمولے اور عام تجربات کو تسلیم کرتے ہوئے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس قافلہ کے حالات غیر معمولی اور خاص نوعیت کے تھے اور غیر معمولی حالات میں مہینوں

کی مسافت ہفتوں میں اور ہفتوں کی دنوں میں طے کر لینے کے واقعات تاریخ میں ملتے ہیں۔
حسینی قافلہ کے غیر معمولی حالات کی نفی کرنا :

عباسی صاحب اگرچہ حسینی قافلہ کے غیر معمولی حالات کی نفی کے لیے بھی ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں مگر وہ نفی میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

کیسی الٹی بات ہے جو اس سلسلہ میں عباسی صاحب نے لکھ دیا ہے کہ:

”عامل مکہ کے بھیجے ہوئے لوگ تو جب آپ پڑھ آئے ہیں پہلے ہی بے نیل

و مرام لوٹ گئے تھے اس کے پاس ایسی کوئی فوج نہ تھی جس کے تعاقب کا خوف

وہ اس غیر معمولی طریق سفر اختیار کرنے پر مجبور کر دیتا۔“ (خلافت: ص ۱۸۰)

حالانکہ عامل مکہ کے قاصدوں کا ناکام لوٹ جانا تو ایک ہوشمند آدمی کے لیے

اس کا متقاضی تھا کہ سفر کے طے کرنے میں عجلت سے کام لیا جائے، کیونکہ ایسی حالت میں

آگے اور پیچھے دونوں طرف سے خطرہ بڑھ جانے کا قوی امکان تھا۔

گورنر مکہ کے پاس فوجی کارروائی یا پکڑ دھکڑ کی قوت کا نہ ہونا تو گورنروں کی ایسی

بے بسی اور مجبوری کو تسلیم کر لینا عباسی صاحب کے سوا کسی اور کے لیے مشکل بات ہے۔

حسینی قافلہ کا بار بردار قافلہ پر قیاس کرنا :

عباسی صاحب نے حسینی قافلہ کے غیر معمولی حالات کی نفی کر کے اس کو نہ صرف

یہ کہ تمام قافلوں اور مسافروں کے زمرہ میں شمار کرنا چاہا ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ

کر اس کو بار بردار (بوجھ اٹھانے والے) قافلوں میں شمار کرنا چاہتے ہیں چنانچہ اس بحث

میں سر سرچرڈ ایف برٹن کے اس تجربہ کو وہ اپنا مشاہدہ بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

”میں نے اس کا اندازہ لگایا ہے کہ حجازی اونٹ کی رفتار جو کارواں کی قطار میں

بوجھ سے لدا ہوا چل رہا ہو معمولی حالت کے وقت ایک گھنٹہ میں دو جغرافیائی

میل ہوتی ہے۔“ (خلافت: ص ۱۸۵)

بوجھ سے لدا ہوا، اور وہ بھی معمولی حالت کے وقت، اونٹ کی رفتار کو حسینی قافلہ کی رفتار کے لیے معیار قرار دے کر عباسی صاحب نے جس طرح اپنا مطلب حاصل کرنے کی کوشش کی ہے کیا اس طرح کی زبردستی اور کھینچ تان ہی کو ریسرچ اور تحقیق کے نام پر پیش کر کے کر بلا کے مظالم کی وضعیت کو ثابت کیا جاسکتا ہے؟۔

ایک بڑا خلا :
.....

اس بحث میں ایک بڑا خلا یہ بھی ہے کہ حضرت حسین علیہ السلام اور عمرو بن سعد کے درمیان ہونے والی جو گفتگوئیں مؤرخین نے نقل کی ہیں اور پھر عمرو بن سعد کی جو خط و کتابت عمرو اور ابن زیاد کے درمیان ہوئی بتائی گئی ہے یہ گفتگوئیں اور خط و کتابت کربلا میں حسینی قافلہ کے پہنچنے کے بعد ہوئی اور ان میں ضرور کچھ وقت صرف ہوا ہوگا اور عباسی صاحب نے خود بھی ان گفتگوؤں اور خط و کتابت کی روایات کو تسلیم کر لیا ہے۔

اس طرح عباسی صاحب کے اس دعویٰ کی تردید کا سامان خود ان کی تسلیم کردہ روایات سے ہی مہیا ہو جاتا ہے کہ حسینی قافلہ ۱۰ محرم سے پہلے کربلا میں کسی طرح نہیں پہنچ سکتا اس لیے پانی بند کرنے وغیرہ مظالم کی واقعیت کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

..... عباسی صاحب کا دوسرا دعویٰ :

دوسرا دعویٰ عباسی صاحب کا یہ تھا کہ:

”کر بلا کا حادثہ فاجعہ یزید اور عمال یزید کے قصد و ارادہ کے بغیر بالکل اتفاقی طور پر پیش آ گیا“ اس کی بنیاد انہوں نے اس دعویٰ پر رکھی ہے کہ ”ابن زیاد نے حسینی قافلہ سے صرف ہتھیار رکھوانے کا حکم دیا تھا اور عمر بن سعد نے اس غرض سے ان کے گرد گھیرا ڈالا تھا مگر حضرت حسین کے کوئی سبائی ساتھیوں نے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے اچانک حملہ کر دیا۔“

مگر عباسی صاحب اس دعویٰ پر کوئی تسلی بخش ثبوت نہیں لاسکے؟۔

پہلا ثبوت :

انہوں نے ایک تو: جس ۲۴۰ پر ”انسا نیکلو پیڈیا آف اسلام“ کے مقالہ نویسوں کا بیان اس باب میں پیش کیا ہے لیکن جب تک ان مقالہ نویسوں کی تحقیق کا ماخذ نہ معلوم ہو ان کا بیان قطعاً حجت نہیں، دوسرے یہ کہ عباسی صاحب پہلے لکھ آئے ہیں کہ:

”اور سینکڑوں خطوط بھیجنے والوں اور خروج پر آمادہ کرنے والوں کا پتہ ہی نہ چلا کہ کہاں ہیں اور کیا ہوئے۔“

(ص ۲۰)

اس لیے کوفیوں کا حضرت حسین ؑ کے ہمراہ اور رفیق سفر کا دعویٰ درست نہیں معلوم ہوتا اور اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ کچھ کوئی آپ کے ہمراہ تھے پھر بھی ان کو عدم صلح اور اشتعال جنگ کے بارہ میں اپنے پیشرو سبائیوں پر قیاس کرنا اور یہ لکھنا کہ ”وہ اپنی خیر اسی میں سمجھتے تھے کہ صلح و مصالحت نہ ہونے پائے“ قیاس مع الفارق ہے، اس لیے کہ جنگ جمل میں مصالحت کی صورت میں حضرت عثمان ؓ کے قصاص سے بچنے کی کوئی صورت ان کو نظر نہیں آرہی تھی قصاص سے بچنے کی خاطر آتش جنگ کو مشتعل کرنا ان کے لیے ضروری تھا صلح ان کے لیے پیغام موت تھی لیکن یہاں صورت حال بالکل برعکس تھی جنگ کی صورت میں قلت تعداد اور بے سرو سامانی کی وجہ سے سخت مصائب کا سامنا تھا فتنہ انگیز اور اشتعال دلانے والے عناصر کو خود کو ایسے صبر آزما حالات میں پھنسانے کے لیے از خود تیار ہو جانا بالکل غیر معقول بات ہے، اس قدر تفاوت اور فرق کے ہوتے ہوئے ان کو پہلوں پر قیاس کر کے جنگ کی تمام تر ذمہ داری حضرت حسین ؑ کے ساتھیوں پر ڈال کر ابن زیاد وغیرہ کی براءت ثابت کرنا حقائق پر پردہ پوشی کے سوا اور کیا کہا جائے؟ کیا اسی فریب کاری کا نام ریسرچ ہے؟۔

دوسرا ثبوت :

دوسرا ثبوت وہ یہ دیتے ہیں کہ:

”حسینی قافلے کے بہتر (۷۲) مقتول ہوئے جن میں اکثر و بیشتر جنگ آزمودہ نہ تھے اور فوجی دستے کے جنگ آزمودہ سپاہی اٹھاسی (۸۸) مارے گئے۔“ (خلافت ص ۲۳۱)

عباسی صاحب کے نزدیک یہ اس بات ثبوت ہے کہ فوجی دستہ صرف مدافعت کرتا رہا لیکن یہ بھی جتنا بے جان ثبوت ہے ظاہر ہے اور شاید عباسی صاحب کو یاد نہیں رہا کہ وہ اپنے ثبوت کی جڑ پہلے ہی کاٹ آئے ہیں ص ۱۳۱ پر وہ لکھ آئے ہیں کہ ”عالم اسلام کا ہر فرد پوری طرح مسلح تھا اور اکثر و بیشتر ماہر حرب و ضرب“ اور اس سے بڑھ کر خاص ان اہل قافلہ کی تو دلیری اور شجاعت و شہامت کا بھی وہ بڑے زور و شور سے اثبات کر آئے ہیں۔ (ص ۱۸۰)

ویسے بھی اگر وہ اکثر و بیشتر جنگ آزمودہ نہ تھے عمرو بن سعد کی فوج کے لیے ان کا مقابلہ کرنا ہی کیوں ضروری ہوا ان کو ویسے ہی گرفتار کر لیا ہوتا یہ خود ان کے ماہر حرب و ضرب ہونے کی دلیل ہے۔

غرضیکہ عباسی صاحب نے یہ ایک نرالا دعویٰ کیا ہے مگر وہ اس کا کوئی قابل توجہ ثبوت فراہم نہیں کر سکے ایسی حالت میں اس پر اصرار کرنا یزید اور عمال یزید کی بے جا حمایت اور پاسداری کا ثبوت مہیا کرنے کے سوا اس کا اور کیا نام رکھا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت حسین علیہ السلام اور یزید کے نزاع میں عباسی صاحب کو ان کے شدید تعصب نے حق و انصاف کے پالینے سے باز رکھا اور وہ جادہ اعتدال سے دور ہو گئے اسی طرح مظالم کربلا کی تاریخی طور پر وضعیت ثابت کرنے کے لیے انہوں نے جو بنیاد فراہم کی ہے وہ بھی بہت ہی کمزور اور خالص تحکم کا درجہ رکھتی اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ واقعہ کربلا کے سلسلہ میں روایات کا تانا بانا تیار کرنے میں تعصب کی شدید دخل

اندازی ہوتی ہے اور اس لیے ان کو اصول نقد و درایت پر پرکھے بغیر ان پر اندھا دھند اعتماد نہیں کر لینا چاہیے مگر اس کی تردید کرنے میں عباسی صاحب نے جس بے جا موٹکائیوں اور دوراز کاریاں آریوں سے کام لیا ہے ان سے بھی حامیان یزید کے ساتھ عباسی صاحب کی بے جا ہمدردی اور حضرت حسین ؑ کے ساتھ شدید تعصب کے ثبوت فراہم ہونے کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

تحقیق مزید و بارہ لعنت بر یزید :

یزید کے بارہ میں علماء اختلاف قدیم سے ہے بعض علما نے توحید بخاری:

”قال النبی ﷺ اول جيش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم“۔

ترجمہ: میری امت کا جو پہلا لشکر قیصر کے شہر کا جہاد کرے گا ان لوگوں کے لیے مغفرت ہو چکی۔

کی وجہ سے اس کو مغفور کہا ہے کیونکہ مدینہ قیصر پر جو اول غزوہ ہوا تھا اس میں بلکہ صحابہ کے ہمراہ یزید بھی تھا جیسا کہ قسطلانی میں ہے:

”کان اول من غزا مدینة قیصر یزید بن معاویة ومعہ جماعة من سادات الصحابة کابن عمرو ابن عباس وابن الزبیر وابی ایوب الانصاری وتوفی بہا ابوا یوب سنة اثنین وخمسين من الهجرة کذا قالہ فی الخیر التجاری وفی الفتح قال المہلب فی ہذا الحدیث منقبة لمعاویة لانه اول من غزا البحر ومنقبة لولده لانه اول من غزا مدینة قیصر“۔ (بخاری: ج ۱، ص ۴۱۰، حاشیہ ۲)

مدینہ قیصر پر پہلا لشکر کشی کرنے والا یزید بن معاویہ ہے اور اس کے ساتھ کبار صحابہ کی جماعت تھی جیسے ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر اور حضرت ابوا یوب



انصاری رحمہ اللہ، اور حضرت ابوالیوب انصاری کا تو اسی مقام پر ۵۲ھ میں وصال ہوا، اسی طرح خیر الجاری میں ہے۔ اور فتح الباری میں ہے مہلب کہتے ہیں کہ اس حدیث میں حضرت معاویہ کی منقبت ہے کہ کیونکہ وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے بحری جنگ کی اور ان کے بیٹے کی بھی منقبت ہے اس لیے کہ وہی ہے جس نے پہلے پہل مدینہ قیصر پر لشکر کشی کی۔

اور بعض علماء نے اس کی تکفیر کی ہے اور اس کو ملعون کہا ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

”فهل عسيتم ان توليتم ان تفسدوا في الارض وتقطعوا ارحامكم اولئك الذين لعنهم الله فاصمهم واعمى ابصارهم - الآية“
ترجمہ: پھر تم سے یہ بھی توقع ہے اگر تم کو حکومت مل جاوے تو خرابی ڈالو ملک میں اور قطع کرو اپنی قربتیں یہ ایسے لوگ ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے پھر کر دیا ان کو بہرا اور اندھی کر دیں ان کی آنکھیں۔

”تفسیر مظہری“ مصنفہ مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی میں ہے:

”قال ابن الجوزي انه روى القاضي ابو يعلى في كتابه المعتمد الاصول بسنده عن صالح بن احمد بن حنبل انه قال قلت لابي يابن يزعم بعض الناس انانحب يزيد بن معاوية فقال احمد يابني هل يسوغ لمن يؤمن بالله ان يحب يزيد ولم لا يلعن رجل لعنه الله في كتابه قلت يابن اين لعن الله يزيد في كتابه قال حيث قال فهل عسيتم - الآية - (مظہری ج ۸ ص ۴۳۳)“

ترجمہ: ابن جوزی نے فرمایا کہ قاضی ابویعلیٰ نے اپنی کتاب ”معتمد الاصول“ میں اپنی سند کے ساتھ جو صالح بن احمد بن حنبل سے ہے، روایت کیا ہے کہ

میں نے اپنے والد سے عرض کیا کہ ابا جان بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم یزید بن معاویہ سے محبت کرتے ہیں، امام احمد نے فرمایا کہ بیٹے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ یزید بن معاویہ سے دوستی رکھے، اور ایسے شخص پر کیونکر لعنت نہ کی جائے جس پر خود حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت فرمائی ہے، میں نے کہا ابا جان! اللہ نے اپنی کتاب میں یزید پر کہاں لعنت کی ہے؟ فرمایا اس موقع پر جہاں یہ ارشاد ہے فہل عسیتم الخ۔

لیکن تحقیق یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کی موت کا کفر پر ہونا دلیل قطعی سے ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی تکفیر اور اس پر لعنت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس صورت میں لعنت کرنے والے پر لعنت کے واپس لوٹنے کا اندیشہ ہے اس لیے کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جب کسی پر لعنت کی جاتی ہے اگر وہ اس لعنت کا مستحق نہیں ہوتا تو وہ لعنت اس کے قائل پر لوٹ آتی ہے (العیاذ باللہ) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لعنت کے معنی ہیں خدا کی رحمت سے دور ہونا اور یہ امر وحی کے بتلائے بغیر کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ فلاں شخص خدا کی رحمت سے دور ہے۔

اب بلا دلیل اگر یزید کے متعلق دعویٰ کیا جائے کہ وہ خدا کی رحمت سے دور ہے تو اس میں خطرہ عظیم ہے البتہ اگر وحی کے ذریعہ بھی اس کا رحمت سے دور ہونا معلوم ہو جاتا تو فرعون، قارون اور ہامان کی طرح اس پر بھی لعنت کرنا جائز ہوتا۔

مگر چونکہ کلام باری تعالیٰ اور دوسری نصوص شرعیہ میں نوع ظالمین اور قاتلین مسلم پر لعنت ہے کما قال اللہ تعالیٰ ”اللعنة الله على الظالمين، والآية، ومن يقتل مؤمناً متعمداً فجزاءہ جہنم خالداً فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنة الآیہ“ اور آیت مذکور ”فہل عسیتم الآیہ“ میں بھی مفسدین اور قاتلین کی نوع پر ہی لعنت آئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یوں کہا جائے کہ قاتل اور آمر و راضی بقتل حسین پر لعنت ہے تو جائز ہے اس قید سے کہ اگر وہ بغیر توبہ کے مرا ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ کون اس ظلم

میں داخل ہے اور کون اس سے خارج ہے اب جن اکابر کے نزدیک روایات اور اخبار اور قرائن سے یہ محقق ہو گیا ہے کہ یزید ان مظالم سے راضی اور خوش تھا اور بدوں توبہ کے مرگیا وہ اس پر لعن کے جواز کے قائل ہیں اور جو علماء اس میں تردد رکھتے ہیں وہ بوجہ حدیث ”منع لعن مسلم“ کے لعن سے منع کرتے ہیں۔ پس جواز اور عدم جواز لعن کا مدار تاریخ اور واقعات کی تحقیق پر ہے، اس مسئلہ کی تحقیق فتاویٰ رشیدیہ اور امداد الفتاویٰ میں دیکھی جائے۔ اس تحقیق کے آخر میں حضرت گنگوہی نے فرمایا ہے:

”اور ہم مقلدین کو احتیاط سکوت (خاموشی) میں ہے کیونکہ اگر لعن جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، لعن نہ فرض ہے، نہ واجب، نہ سنت، نہ مستحب محض مباح ہے۔ اور جو وہ محل نہیں تو خود مبتلا ہونا معصیت کا اچھا نہیں“
(فتاویٰ رشیدیہ: ص ۳۹)

(یاد رہے کہ یہ سکوت صرف لعنت میں ہے نہ کہ اس کے فسق و فجور میں۔ ر، ن)

حدیث ”مغفور لہم“:

یزید پر جس طرح لعنت کرنا اپنے کو خطرے میں ڈالتا ہے اسی طرح اس مغفور ہونے کا یقینی اور قطعی حکم لگانا بھی سخت زیادتی ہے کیونکہ اس کی مغفرت کی بھی یقینی طور پر کوئی نص صریح نہیں ہے، تو اب صرف کلیات مغفرت میں داخل کر کے اس کی مغفرت کا حکم لگایا جائے گا، جو محض ظنی ہوگا قطعی نہ ہوگا جیسا کہ کلیات لعنت میں اس کا داخل ہونا بھی ظنی ہے اس لیے یزید کے بارہ میں معتدل اور متوسط فیصلہ وہ ہے جو حضرت حکیم الامت تھانوی نے کافی بسط اور تحقیق کے بعد تحریر فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

”پس توسط اس امر میں یہ ہے کہ اس (یزید) کے حال کو مفوض بعلم الہی کرنے (خدا کے سپرد کرے) اور خود اپنی زبان سے کچھ (برا) نہ کہے لان فیہ خطراً (کیونکہ برا کہنے میں خطرہ ہے) اور اگر کوئی اس (یزید) کی نسبت کچھ

(برا) کہے تو اس سے کچھ تعرض نہ کرے (اس کو روکے نہیں) لان فیہ
نصراً (کیونکہ برا کہنے والے کو روکنے میں یزید کی حمایت ہے)۔

(امداد الفتاویٰ محبوب: ج ۵، ص ۲۲۴)

”مساریہ“ اور اس کی شرح ”مسامرہ“ میں بھی یزید کی تکفیر اور عدم تکفیر کے دونوں
قول لکھنے کے بعد اس بارہ میں توقف کو ہی اسلم کہا ہے:

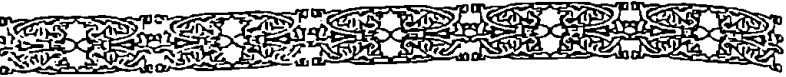
”(وحقیقة الامر) ای الطريقة الثابتة فی شأنه (التوقف فیہ ورجع امره
الی الله سبحانه) لانه عالم الخفيات والمطلع علی مكنونات
السرائر وهو اجس الضمائر فلا يتعرض لتكفيره اصلاً وهذا هو الاسلم
(ص، ۳۱۸، مسامرہ)

طریقہ ثابتہ اور صحیحہ یزید کے متعلق توقف کا ہی ہے اس کا معاملہ حق تعالیٰ کے
سپر دکرنا ہی بہتر ہے جو سب حقائق سے واقف ہیں، اسلم طریقہ یہی ہے کہ اس
کی تکفیر نہ کی جائے۔ (تکفیر سے مراد اُس پر کفر کا حکم لگانا ہے ورنہ اُس کے
فاسق و فاجر ہونے پر تو سب کا اتفاق ہے۔ ر، ن)

رہا حدیث غزوہ قسطنطنیہ سے مغفرت یزید پر استدلال کرنا سو وہ بالکل ضعیف
ہے کیونکہ اول تو وہ مشروط ہے شرط وفات علی الایمان کے ساتھ اور یہ امر مجہول ہے کہ اس کی
وفات ایمان پر ہوئی ہے یا نہیں۔ یا اس سے یہ مراد ہے کہ ”اس جہاد میں شرکت کرنے
والوں کی اول وہلہ میں مغفرت ہو کر داخلہ جنت کا استحقاق حاصل ہو جائے گا، یا یہ مراد ہے
کہ اس مہم میں شریک ہونے والوں کی آخر کار نجات ہو جائے گی، خواہ مؤاخذہ کے بعد ہی
یہ مغفرت حاصل ہو۔

چنانچہ علامہ قسطلانی نے مہلب کے قول مذکور کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

”وتعقبه ابن التین وابن المنیر لما حصله انه لا يلزم من دخوله في



ذلك العموم ان لا يخرج بدليل خاص اذ لا يختلف اهل العلم ان قوله **عَلَيْكُمْ** مغفور لهم مشروط بان يكونوا من اهل المغفرة حتى لو ارتد احد ممن غزاها بعد ذلك لم يدخل في ذلك العموم اتفاقا فدل على ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرة فيه منهم۔

(حاشیہ بخاری ج، ۱، ص، ۳۱۰)

اور ابن التین اور ابن العمیر نے مہلب کے اس قول کی تردید کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یزید کے اس عموم میں داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی دوسری خاص دلیل کی وجہ سے اس سے خارج ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ اہل علم میں سے کسی کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضور **ﷺ** کا یہ قول ”مغفور لہم“ (جہاد قسطنطنیہ کے سب شرکاء بخش دیے گئے) اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ یہ لوگ مغفرت کے اہل ہوں یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اس غزوہ کے بعد ان میں سے مرتد ہو جائے تو وہ بالاتفاق اس بشارت میں داخل نہیں رہے گا نئے صاف واضح ہے کہ حدیث کی مراد یہ ہے کہ ان میں سے جن افراد میں مغفرت کی شرط پائی جائے گی وہ ہی مغفور ہوں گے۔

مہلب کو قول مذکور کے بعد اس عبارت کو عباسی صاحب نے ”حمایت یزید“ کا حق ادا کرنے کے لیے چھوڑ دیا ہے اور منقبت یزید کے اثبات کے لیے مہلب کے قول سے استدلال کرتے ہوئے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ علامہ ابن حجر نے اس قول کو منقبت یزید پر بطور استدلال پیش فرمایا ہے حالانکہ اس قول کے نقل فرمانے کے بعد ابن تین اور ابن العمیر کے تعقب پیش کرنے سے علامہ ابن حجر کا مقصد ہی اس قول کی تردید کرنی ہے کہ حدیث کے جملہ ”مغفور لہم“ کے عموم میں داخل ہونے کی وجہ سے یزید کی منقبت اور فضیلت ثابت ہو رہی ہے، اس کا حاصل مطلب بھی یہی نکلا کہ ”مغفور لہم“ میں مغفرت مشروط

ہے شرط وفات علی الایمان کے ساتھ اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ اگر اس غزوہ میں شریک ہونے والے کسی شخص کا ارتداد (نعوذ باللہ منہ) ثابت ہو جائے تو وہ اس بشارت مغفرت میں داخل نہیں رہے گا۔

دوسرے شرط مغفرت علی الایمان کے تحقق ہونے کے بعد بھی قابل غور یہ بات ہے کہ اس حدیث سے جہاد قسطنطینیہ میں شریک ہونے والوں کے لیے جس مغفرت کی بشارت دی گئی ہے اس مغفرت سے کیا مراد ہے؟

اب زیادہ سے زیادہ اس حدیث سے یہ ثابت ہو گا کہ ہر وہ شخص جو جہاد مذکور میں اخلاص کے ساتھ شریک ہو گا اس کی وفات ایمان پر ہوگی اور انجام کار اس کی مغفرت ہو کر دوزخ سے نجات حاصل کر لے گا۔ مگر اس سے جہاد مذکور میں شریک ہونے والے ہر شخص کی فضیلت اور منقبت پر کیسے روشنی پڑی کہ اب کسی قسم کی بد عملی اور غلط کاری کا ارتکاب ان میں سے کسی سے نہیں ہوگا؟ اور یہ کیسے ثابت ہوا کہ اس جہادی مہم میں شریک ہونے والا ہر قسم کے مواخذہ سے بری اور محفوظ رہے گا اور بغیر مواخذہ کے اس کو اول و ہلہ میں مغفرت اور داخلہ جنت کا استحقاق حاصل ہو جائے گا؟

یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی شخص پر اس کے قبیح افعال اور ناشائستہ کردار کی وجہ سے گرفت اور مواخذہ ہو مگر انجام کار اس بشارت مغفرت کی وجہ سے اس کو معافی مل کر مواخذہ سے نجات حاصل ہو جائے۔

اسی طرح یزید سے اگر بعض افعال قبیحہ اور امور منکرہ کا ارتکاب ثابت ہو تو وہ اس حدیث بشارت مغفرت کے خلاف نہیں ہے نہ یہ حدیث بلا مواخذہ نجات پر دلالت کرتی ہے۔ اس کی نظیر صحیحین کی وہ حدیث جس میں ارشاد ہے ”من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة“ تو کیا اس حدیث سے یہ ثابت کیا جاسکے گا کہ جو شخص بھی اس کلمہ طیبہ کو پڑھ لے گا اس سے اب معاصی کا صدور ہی نہیں ہو سکے گا یا اس پر اب اس کے معاصی اثر انداز

نہیں ہوں گے؟ اور وہ شخص صرف اس کلمہ کی وجہ سے ہی بغیر مواخذہ کے اول دہلہ میں ہی جنت میں داخل ہو جائے گا خواہ وہ کتنا ہی گناہوں میں ملوث کیوں نہ ہو۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کی اس کلمہ پر موت واقع ہوگی تو آخر کار اس کا جنت میں داخلہ ہو جائے گا خواہ معاصی اور گناہوں کی وجہ سے اس کو چندے سزا بھی بھگتنی پڑے۔

اگر صحیحین کی اس حدیث سے ہر کلمہ گو کے لیے ایسی فضیلت اور منقبت ثابت نہیں ہوتی کہ اس کے معاصی اس پر اثر انداز نہیں ہوں گے اور نہ ہی اس سے ہر کلمہ گو شخص کا بغیر مواخذہ کے جنتی ہونا ثابت ہوتا ہے تو پھر حدیث قسطنطیہ سے نہ معلوم یزید کی ایسی منقبت اور فضیلت ثابت کرنے کی کیوں کوشش کی جا رہی ہے کہ اس جہادی مہم میں شریک ہونے کے بعد وہ ہر قسم کی بد عملی اور گناہوں سے منزہ ہو گیا، اور کیوں یہ سمجھ لیا گیا کہ اول تو کسی قسم کے معاصی کا صدور اس سے ہو گا ہی نہیں اور اگر کچھ گناہ اس سے صادر بھی ہوئے تو اس بشارت مغفرت کی وجہ سے اس کے معاصی اس پر بالکل نظر انداز نہیں ہوں گے اور وہ بغیر کسی مواخذہ کے قطعی طور پر جنت میں داخل ہو جائے گا۔

جس طرح شرط مغفرت نہ پائے جانے کی وجہ سے یزید کی تکفیر کرنے والے اس کو ”مغفور لہم“ کے عموم میں داخل نہیں کرتے اسی طرح ”مغفور لہم“ سے اول دہلہ میں استحقاق مغفرت مراد لینے والے حضرات نے بھی یزید کی سیاہ کاری اور اس کے اعمال شنیعہ کی وجہ سے اس کو بشارت مغفرت سے محروم سمجھا ہے چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے فرمایا ہے:

”غایت مافی الباب بسبب خرابیہائے پنہاں کہ داشت
همچوں منافقان کہ در بیعت رضوان شریک بودند بوجہ
نفاق رضوان اللہ نصیب اوشان شد یزید ہم از فضائل این
بشارت محروم ماند“۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۲۵۳)

نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح بیعت رضوان میں منافقین شریک ہوئے اور نفاق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے محروم ہو گئے تو یزید بھی اپنی اندرونی خرابیوں کی وجہ سے اس بشارت کی فضیلت سے محروم ہو گیا۔

حرف آخر:

اس کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ کے متعلق اکثر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اس کا موضوع تاریخی واقعات ہیں نہ کہ مذہبی عقائد۔ لیکن اس کے ملاحظہ کے بعد معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس کے اندر عباسی صاحب نے تاریخی تحقیق کے پردہ میں احادیث صحیحہ کی تردید اور مذہبی نظریات کو بدلنے کی پوری کوشش کی ہے اور تاریخی واقعات پر اس انداز سے بحث کی ہے کہ اس کی زد بالواسطہ طور پر مذہبی عقائد پر بھی آپڑتی ہے اور اس سے اہل سنت کا مسلک اعتماد مجروح ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

عباسی صاحب نے ہزار بارہ سو سال کے عرصہ میں ہونے والے مؤرخین، محدثین، مفسرین اور دوسرے علوم و فنون کے ماہرین کی تحقیقات کو مجروح اور ناقابل اعتبار ٹھہرا کر ماضی سے امت کا رشتہ بالکلیہ کاٹ دینے کی بھرپور کوشش کی ہے اور علامہ ابن جریر طبری، ابن کثیر دمشقی، ابن خلدون جیسے مؤرخین کی تحقیقات اور آراء کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کے ساتھ پیش آئے ہیں۔

جن جن نامائے اور گستاخانہ الفاظ سے یاد کیا ہے اس سے مؤلف کی ذہنیت اور اس کے نقطہ نظر کا پتہ لگتا ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر اس کے مضامین پر یقین و اعتماد کر لینے کے بعد پھر اساطین امت، اہل بیت عظام اور دوسرے اعلام ملت مفسرین و محدثین کرام کی طرف سے بدگمانی اور گستاخی کا پیدا ہو جانا اس کتاب کا خاصہ لازمہ اور ماضی کی بلند پایہ معروف شخصیتوں سے انحراف اور بے اعتمادی اس کا لازمی اثر ہے جس کا تجربہ اور مشاہدہ اس کتاب کے پڑھنے والوں کو دیکھ کر رات دن ہو رہا ہے۔

اس لیے اس کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ اور محمود احمد عباسی کی کل کتابوں کا مطالعہ کرنا دینی اعتبار سے سخت گمراہ کن اور موجب فتنہ ہے۔ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند رحمہ اللہ کی رائے گرامی اس کتاب کے متعلق بالکل واقعی اور صحیح ہے کہ:

”کتاب کے مضامین مسلک اہل سنت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں“

اب آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمام فتنوں سے محفوظ و مامون رکھے اور احقر کی اس مختصر تحریر کو مسلمانوں کی ہدایت کا سبب اور احقر کے لیے ذخیرہ آخرت بناوے۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز، نعم المولیٰ ونعم النصیر اللہم اذا اردت بقوم فتنۃ فتنوہمنا غیر مفتون وصلی اللہ تعالیٰ علی سید الکائنات واکرم الخلوقات سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ الاطہار واصحابہ
الاخیار الیٰ یوم القرار۔

۷/ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۷ھ کو اس کتاب پر مختصر نوٹ پورے ہو گئے تھے پھر دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے اس کو مفصل کرنے کی فرصت نہیں ملی، تھوڑے تھوڑے وقفے میں تفصیل کرتا رہا، بحمد اللہ آج بروز جمعہ بارہ بجے دن بتاریخ ۲۳/ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۷ھ کو یہ مسودہ پورا اور مکمل ہو گیا۔ والحمد للہ اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً

سید عبدالشکور ترمذی غفری عنہ

خادم مدرسہ عربیہ حقانیہ

ساہیوال ضلع سرگودھا



،

،

ضَمِيمَةٌ

ترتیب

میاں رضوان نفیس

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

محمود احمد عباسی کی
فاطمہ بنت رسولؐ کی توہین اور
”بخاری“ و روایات صحاح کو جعلی قرار دینا
از حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹوٹئی
مفتی اعظم پاکستان

محمود احمد صاحب عباسی مصنف ”خلافت معاویہ و یزید“ و تحقیق مزید“ وغیرہ سے
بندہ ”لیاقت آباد“ میں رہنے کی وجہ سے ایک عرصہ سے واقف تھا۔ شروع شروع میں
روافض دشمنی کی قدرے مشترک کی وجہ سے عباسی صاحب سے خاصی دوستی تھی۔ کبھی کبھی ان
کے کہنے پر بعض عربی عبارتوں کے ترجمہ میں مدد بھی دی اسی طرح بعض کتابوں کے حصول
میں معاونت بھی کی۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ روافض کے خلاف عباسی صاحب اچھا کام کر رہے
ہیں، بلکہ بعض بزرگوں کی ملاقات عباسی صاحب سے بندہ ہی نے کرائی۔ ایک عاشورہ محرم
پر عباسی صاحب کا یہ رنگ بھی دیکھا کہ ان کے مکان پر اچھے خاصے لوگ جمع ہیں، اور عباسی
صاحب حضرت زینب بنت النبی ﷺ کا اور ان کی اولاد اجماد کا ذکر کر رہے ہیں اور آنکھوں
سے آنسو بہ رہے ہیں۔ اس منظر سے میں خاصا متاثر ہوا لیکن کچھ دن کے بعد یہ واضح ہوا کہ

موصوف خاصے نامی ہیں۔ ایک بار میرے اور کچھ لوگوں کے سامنے حضرت فاطمہ الزہراءؑ پر العیاذ باللہ تنقید شروع کر دی اور ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ وہ ”اتنی سی تھیں“ یعنی ان کا قد چھوٹا تھا۔ میں فوراً کھڑا ہو گیا، میں نے عرض کیا کہ حضرت فاطمہؑ کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ :

”فاطمہ کو جو چیز اذیت دے وہ مجھے بھی اذیت پہنچاتی ہے۔“

آپ کس طرح خاتون جنت کی غیبت کر رہے ہیں۔ میں نے یہ بھی کہا کہ ”بخاری“ کی حدیث ہے۔ اس پر وہ ”بخاری“ اور دیگر کتب حدیث پر تنقید کرنے لگے، اور منکرین حدیث کے طرز پر ”احادیث صحاح“ کو ”عجی سازش“ کہنے لگے، اس سے پہلے میں مشہور منکر حدیث تمنا غمادی کو ان کے یہاں دیکھ چکا تھا وہ ان کے بڑے مداح تھے اور ان کی خود ساختہ تحقیقات کے خاصے معترف تھے ان واقعات کے بعد بندہ نے عباسی صاحب کے یہاں آنا جانا چھوڑ دیا، اور مجھ پر واضح ہو گیا کہ یہ شخص نامی اور منکر حدیث ہے۔

والعلم عند اللہ تعالیٰ و ہوا علم

کتبہ

ولی حسن مفتی

دارالافتاء جامع العلوم الاسلامیہ کراچی

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ

(محمود احمد عباسی اپنے عقائد و نظریات کے آئینے میں: ص ۱۸)

(سیدنا علی وحسین رضی اللہ عنہما: ص ۳۱۷)



عباسی صاحب حقیقہ کیا تھے؟

(فیصلہ کن اشارات)

از حکیم سید محمود احمد برکاتی

حکیم سید محمود احمد برکاتی صاحب معروف طبیب ہیں نہایت سنجیدہ و متدین عالم و فاضل ہیں، عمدہ صاحب قلم اور نقاد ہیں، دین کے شیدائی اور جری و حق گو ہیں، مولانا عبدالشکور صاحب لکھنؤی سے گہری عقیدت رکھتے ہیں۔ تاریخی طبی حکیم فرید احمد صاحب عباسی امر و ہوی (جو مصنف ”خلافت معاویہ و یزید“ کے بھائی تھے) کے شاگرد رشید ہیں۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمود احمد عباسی صاحب مرحوم سے میرا تعارف پاکستان آکر غالباً ۵۴-۱۹۵۳ء میں ہوا تھا۔ انہیں کسی کتاب کی ضرورت تھی اس لیے کسی کی نشان دہی پر میرے یہاں آئے تھے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ وہ ہمارے استاد امام طب حکیم فرید احمد صاحب عباسی مرحوم و مغفور کے چھوٹے بھائی ہیں تو ایک قرب کا پہلو نکل آیا اور طرفین کی آمد و رفت شروع ہو گئی ان کے

اور ان کے اہل و عیال کی خدمت علاج کے بھی مواقع بارہا ملے، کچھ ہی دن کے بعد ان کی کتاب کے چرچے علمی حلقوں میں شروع ہوئے مگر مطالعے کی لت کے باوجود مجھے اس کتاب کے مطالعے کی اُکساہٹ نہیں ہوئی کیونکہ اہل تسنن اور اہل تشیع کے اختلافات میرا موضوع فکر و مطالعہ ہیں نہ میری افتاد مزاج کو خلافیات سے کوئی مناسبت ہے نہ میں ان مناقشات کو امت محمدیہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے حق میں مناسب اور مفید سمجھتا ہوں اور تاریخی، کلامی یا فقہی مسالک کے اختلاف کے بجائے عقائد کے اشتراک اور متفق علیہ امور پر نگاہ رکھتا ہوں، بہر حال میں یہ کتاب نہ پڑھ سکا، مگر ایک بار خود عباسی صاحب مرحوم ہی نے مجھے ”خلافت معاویہ و یزید“ عنایت فرمائی، تو اسی مطالعے کی لت کے ہاتھوں اس کا مطالعہ کر گزرا، اور خلاف مزاج پاکر الماری میں سجادی، ادویوں عباسی صاحب کے افکار و آراء کا تعارف حاصل ہو گیا۔ لیکن اس موضوع پر ان سے گفتگو کی کبھی نوبت نہیں آئی حالانکہ انہوں نے بارہا سلسلہ چھیڑا، مثلاً ایک بار انہوں نے فرمایا تم حسنی سید ہو یا حسینی؟“ میں اس سے پہلے کئی حضرات سے سن چکا تھا کہ وہ شجروں اور انساب پر گفتگو کرتے ہیں اس لیے تڑاخ سے جواب دیا کہ ”میں نے آپ سے کب کہا کہ میں سید ہوں؟“ اس پر وہ خاموش ہو گئے، اسی طرح میں نے جب سرسید مرحوم کی کتاب ”سیرت فریدیہ“ ایڈٹ کی، اور اس کے مقدمہ میں سرسید کے سیاسی کردار پر تنقید کی تو عباسی صاحب ایک روز فرمانے لگے، کل ہمارے ایک دوست کہہ رہے تھے کہ تمہارے عزیز (میری طرف اشارہ تھا) نے تمہارے مقتدا (سرسید) پر بڑی سخت تنقید کی ہے۔“ تو میں نے برجستہ جواب دیا کہ جی ہاں وہ صاحب مجھ سے بھی کہہ رہے تھے مگر میں نے ان سے کہہ دیا کہ عباسی صاحب نے ہمارے نانا (سیدنا حسینؑ) کو نہیں بخشا تو ہم ان کے مقتدا کو کیوں بخشے، اس پر وہ بڑی دیر تک ہنسے اور بات آئی گئی ہوئی۔

عباسی صاحب سے ان ملاقاتوں میں مجھے اندازہ ہوا کہ وہ معمولی صلاحیتوں کے آدمی تھے، عربی غالباً بالکل نہیں جانتے تھے، فارسی پر بھی عبور نہیں تھا، میں نے ان کو فارسی کی

غلط عبارتیں پڑھتے کئی بار سنا ہے، تحریر کا کام بھی وہ مسلسل نہیں کرتے رہے، آغاز عمر میں تاریخ آمروں "تحقیق الانساب" اور "تذکرۃ الکرام"، لکھی تھیں، اس کے بہت عرصے بعد، ۷۰ سال سے زیادہ کی عمر میں "خلافت معاویہ ویزید"، لکھی، اس کتاب کے سلسلے میں ان کو متعدد اہل علم و قلم کا تعاون حاصل تھا جن میں سے ایک نام کے متعلق مجھے تحقیق ہے اور وہ ہے "مولانا تمنا عمادی" کا نام، جو ان کے لیے کتب تاریخ سے اقتباسات اور ان کے ترجمے لکھ کر بھیجا کرتے تھے، ایک بار وہ عباسی صاحب کے ہاں چند روز مقیم بھی رہے اور وہاں بھی میں نے انہیں یہی کام کرتے دیکھا ہے۔

دوسرا تاثر میرا یہ ہے کہ وہ اپنی تحریک کے سلسلے میں مخلص نہیں تھے زبان و قلم سے زید شیعیت کے باوجود اہل تشیع سے ان کے گونا گوں مراسم تھے، ایک بار میں پہنچا تو چند نام ور شیعہ اہل قلم ان کے یہاں بیٹھے تھے اور بڑا پر تکلف ناشتہ کر رہے تھے اور بہت اپنایت کی باتیں ہو رہی تھیں، ان کے جانے کے بعد از خود صفائی کرنے لگے کہ ان بچوں سے وطن ہی سے مراسم ہیں، بڑی محبت کرتے ہیں، میرا بڑا لحاظ کرتے ہیں، میں نے "جی" کہہ کر بات ٹال دی کہ مجھے اس سے کیا دلچسپی؟ اسی طرح ایک بار انتخابات میں انہوں نے ایک شیعہ امیدوار کو ووٹ دیا اور میرے سامنے ایک صاحب کے سوال کے جواب میں اس کی وجہ یہ بتائی کہ اس کے خاندان سے قدیم مراسم ہیں، اور میں اسے اہل بھی سمجھتا ہوں، ایک بار ان کی اہلیہ محترمہ جو مجھ پر بڑی شفقت فرماتی تھیں اپنے ایک ہمسائے کی شکایت کرنے لگیں کہ "وہ آج صبح انہیں (عباسی صاحب) کو گالیاں دے رہا تھا اور یزید اور یزید کی اولاد تک کہہ گیا۔" اس پر میں نے ازراہ تفسیر کہہ مارا کہ یہ تو آپ کے نقطہ نظر کے پیش نظر مدح ہوئی، قدح نہیں ہوئی۔" اس پر وہ بہت برہم ہو گئے اور اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے، اور ان کی اہلیہ محترمہ کہنے لگے کیوں چھیڑتے ہو۔"

مطلب یہ ہے کہ میرے خیال میں وہ دل سے یزید دوست اور شیعہ دشمن نہیں

تھے بلکہ دانستہ یا نادانستہ کسی اسلام دشمن تحریک یا طاقت کا آلہ کار تھے اور انفراتق بین المسلمین کی مہم میں سرگرم تھے، میں نے ان میں شیعیت کے مظاہر تو کئی بار دیکھے (مثلاً) مجالس تک ان کے یہاں برپا ہوتی تھیں اور وہ ذکر کر کے روتے اور رلاتے تھے) مگر ان کی پابندی احکام شریعت کا کوئی منظر اور واقعہ میرے علم و ذہن میں نہیں ہے، کم سے کم میں نے ان کو کبھی نماز پڑھتے نہیں دیکھا نہ کسی سے سنا۔ تجارت اور معاشی منفعت بھی اس مہم میں یقیناً ان کے پیش نظر تھی؟ ایک بار نیاز فتح پوری کا ایک خط انہوں نے دوسرے خط کے دھوکے میں مجھے پڑھنے کے لیے دیا میں بھی جب خط پڑھ چکا تو پتہ چلا کہ یہ وہ مطلوبہ خط نہیں ہے، خط انہیں واپس کیا تو وہ بھی چکر اسے گئے، بہر حال اس خط کا جو مفہوم ذہن میں متحضر ہے کچھ اس قسم کا تھا کہ:

”خوب کتاب لکھی ہے، کچھ ہنگامہ گرم رہے گا، لطف رہے گا خوب نکل رہی ہوگی، میں نے بھی اس پر تبصرہ لکھا ہے، کتابی شکل میں بھی آئے گا، اسے وہاں نکلوائیں اور اپنی کتاب کے اتنے نسخے تاجرانہ نرخ پر مجھے بھجوائیں، کہ تبصرہ پڑھ کر کتاب کی مانگ بھی آئے گی۔“

اسی طرح ایک صاحب سے جو نہ خدا کے قائل تھے نہ مذہب کے ان سے اپنی تحقیق کا ذکر کر کے چاہتے تھے کہ وہ رائے دیں، انہوں نے کہا ”میری رائے کا کیا کریں گے، میری نظر میں آپ کے حسین اور آپ کے یزید دونوں گھٹیا تھے، عالمی سطح پر ان کی حیثیت نہیں ہے، تاریخ عالم کے اکابر میں ان کو محسوب نہیں کیا جاسکتا، تخت کے دو معمولی امیدوار لڑ پڑے تھے اور ایک مارا گیا“ اس پر عباسی صاحب نے تائید اور مسرت کا اظہار ایک قہقہے سے کیا، اور انگریزی میں چند جملے کہے جن کا مفہوم یہ تھا کہ ”بالکل یہی رائے میری اور ہر پڑھے لکھے آدمی (ایجوکیٹڈ) کی ہے۔ مگر ان صاحب (جنٹل مین) کے سامنے بات نہ کیجئے یہ لوگ قدامت گزیدہ (آرتھوڈکس) ہوتے ہیں، عباسی صاحب نے مجھے

انگریزی سے نابلد سمجھا تھا، میں نابلد ہی بنارہا اور اجازت چاہی جو بڑی خوش دلی سے دیدی گئی، میرے بعد باہم گفتگو ہوئی ہوگی کہ آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں میں تو خود روشن خیال اور آزاد فکر ہوں، مگر ایک فرقے کو بہکانا اور معاشی منفعت حاصل کرنا ہے، اس قسم کے حضرات کو صرف معاشی منفعت ہی حاصل ہو کر رہ جاتی ہے، یا پھر اس کے ساتھ کوئی عالی منصب اور شہرت بھی مگر اصل منفعت تو کفار کو حاصل ہوئی ہے، یہود کو حاصل ہوئی، اسلام دشمنوں کو حاصل ہوئی جنہیں اگر کوئی خطرہ ہے تو اس امت کی بیداری سے ہے۔ اس لیے وہ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار اور انہیں تاریخی، کلامی اور فقہی مسائل پر اختلافات کی آگ کو اپنے دامن دولت سے ہوا دیکر فروزاں کرتے ہیں۔

ان کے مسلک کے بودے پن کے سلسلے میں یہ دلچسپ واقعہ بھی سننے کا ہے، ایک بار معلوم ہوا کہ لاہور سے حکیم حسین احمد صاحب عباسی مرحوم آئے ہوئے ہیں اور محمود احمد عباسی صاحب کے یہاں مقیم ہیں۔ چنانچہ میں اور میرے رفیق درس اور عزیز دوست (حکیم جامی صاحب جو ”کوٹری“ سے حسین میاں سے ملنے کے لیے ہی تشریف لائے تھے) عباسی صاحب کے یہاں پہنچے، حسین میاں تو نہیں ملے، البتہ عباسی صاحب ضرور مل گئے اور حسب عادت وہی موضوع چھیڑ دیا، میں حسب دستور محل سے کام لیتا رہا مگر جامی صاحب محل کے قائل نہیں اور رد باطل کے لیے ہمہ وقت آمادہ و مستعد رہتے ہیں اور زبان و بیان تک کی اغلاط کی تصحیح کو جہاد سمجھتے ہیں چنانچہ عباسی صاحب اسلامی تاریخ کے مآخذ پر گفتگو کر رہے تھے اور ”طبری“ وغیرہ کو نامعتبر بتا رہے تھے، اچانک سیدنا حسینؑ کے لیے فرمانے لگے انہیں ”خناق“ کا مرض تھا اور اہلبانے لکھا ہے کہ اس مرض میں مبتلا انسان کی قوت فیصلہ بہت متاثر ہو جاتی ہے۔ اب جامی صاحب کے جہاد کی گھڑی آگئی تھی، عباسی سے پوچھا کہ یہ بات کس نے لکھی ہے؟ عباسی صاحب روانی میں کہہ گئے کہ ”طبری“ نے لکھا ہے اس پر جامی صاحب نے ایک بڑے زہرے لیے قسم کے طنزیہ قہقہہ سر کیا، اور بولے جی ہاں وہی طبری

جو نامعتبر ہے، اس پر عباسی صاحب نے اپنے موقف کے ضعف کو اپنی براہی سے قوت میں بدلنا چاہا اور آپے سے باہر ہو گئے، کھڑے ہو کر کہنے لگے میرے بھائی (بابائے طب مرحوم و مغفور) کا شاگرد ہو کر مجھ پر تنقید کرتا ہے اور ایسی ہی حواس باختگی کی بہت سی باتیں بڑے جوش غضب کے عالم میں کہہ گزرے، جامی صاحب نے جو ایسے معرکوں کے عادی اور ماہر اور جسمانی صحت سے بھی مایہ دار ہیں۔ بڑے اطمینان اور ٹھہرے ہوئے لہجہ میں جواب دیا، بڑے میاں! ”پہلے تو بیٹھ جاؤ، ہانپ رہے ہو۔ پھر تم اس یگانہ وقت اور باخدا بزرگ (بابائے طب) سے کیا نسبت رکھتے ہو، اور ان سے نسبت جتاتے ہو جس کی تصدیق کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں اگر ہے تو اسے ثابت کرو اور اچھے آدمیوں کی طرح معقولیت سے بات کرو، اپنی باتوں کے تضاد کو رفع کرو اور اگر کشتی ہی لڑنا ہے تو لو میں بھی کھڑا ہوا جاتا ہوں (اسی دوران دونوں کی بلند آوازیں سن کر زنانے میں سے ایک نوجوان غالباً نواسہ نکل آیا تھا اسے مخاطب کر کے جامی صاحب نے پچکار تے ہوئے کہا) ”میاں ابا کی مدد کے لیے صرف تم سے کام نہیں چلے گا اللہ کے فضل سے ۲۵ آدمیوں سے بیک وقت لڑوں گا۔ وہ نوجوان تو مرعوب ہو کر پیچھے ہٹ گیا اور میں نے جامی صاحب کی آتش جلال کو سرد کرنے کے لیے کچھ کہنا چاہا تھا کہ جامی صاحب کڑکے! معاف فرمائیے محمود میاں! میں باطل اور گمراہ کن اور بے سرو پا باتیں سن کر آپ کی طرح خاموش ہو جانا اور تردید کے لیے مناسب موقع کا انتظار کرنا گناہ سمجھتا ہوں۔ اب میں اس شخص کو بھگتنے کے لیے کیا کوٹری سے پھر کبھی آؤں گا یا یہ مجھے معقول جواب دے ورنہ میں ”اپنے بھرے بازو (بازو دکھاتے ہوئے) ان کو حرکت میں لاؤں گا“ عباسی صاحب یہ عالم یہ رنگ دیکھ کر بڑے خوف زدہ اور بد حواس سے ہو گئے تھے۔ میں نے اپنے مراسم کے زور پر جامی صاحب کو بحجر التواء جہاد پر آمادہ کیا اور ان کو گھسیٹا ہوا دھاں سے لے آیا۔

عباسی صاحب سے آخری ملاقات یوں ہوئی کہ میرے فاضل دوست جناب

افتد ہاشمی صاحب اور میں عباسی صاحب کے یہاں گئے۔ ہاشمی صاحب تاریخ اسلام پر بڑا عبور رکھتے ہیں اور ان کے اور عباسی صاحب کے درمیان کتب مطالعہ کا تبادلہ بھی ہوتا رہتا تھا۔ تو ایک دن ہاشمی صاحب اور میں عباسی صاحب کے یہاں گئے۔ عباسی صاحب اور ہاشمی صاحب اسی موضوع (حسین و یزید) پر گفتگو کرنے لگے، میں ایک کتاب ہاتھ میں لے کر وقت گزرنے لگا۔ مطالعہ سے میری توجہ بلند ہوتی ہوئی آواز نے ہٹائی:

ایڈیٹ؟، (بیوقوف)

ہاں، ایڈیٹ تھا،

علی ایڈیٹ، علی ایڈیٹ۔

لیس، علی ایڈیٹ، علی واز ایڈیٹ۔

اور ہاشمی صاحب جو پاؤں اٹھائے تخت پر بیٹھے تھے پاؤں لٹکا کر جوتا پہنتے ہوئے مجھ سے کہنے لگے ”حکیم صاحب! آپ ٹھہریں گے، میں تو چلا، اب برداشت کی بات نہیں رہی۔ میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا، فوراً چلیے، اب یہاں کبھی نہیں آنا ہے توبہ توبہ!“ اور عباسی صاحب ”حکیم صاحب، ہاشمی صاحب“ چیخے رہے مگر ہم وہاں سے نکل آئے اور پھر کبھی وہاں نہیں گئے، یہاں تک کہ عباسی صاحب اس کے دربار میں پہنچ گئے جس کے سامنے ان کا باطن ظاہر ہوگا۔

محمود احمد برکاتی

لالو کھیت

۳۰ مارچ ۸۰ء

(محمود احمد عباسی اپنے عقائد و نظریات کے آئینے میں: ص ۲۷)

(سیدنا علی و حسین علیہ السلام: ص ۳۱۹)

عباسی صاحب حضرت عثمان غنی کو خلیفہ ثالث بھی نہیں مانتے تھے

از موسیٰ حسن صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والصلوة والسلام علی رسولہ الکریم.....

جہاں اس امت مسلمہ میں ایسے سعادت مند اہل علم اور محققین..... پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے قلم کے ذریعہ دین کی اشاعت تبلیغ کی خدمت انجام دی ہے وہاں ایسے بد بخت گمراہ لوگ بھی ہوئے جنہوں نے اپنے قلم کے ذریعہ دین کے متعلق شکوک پھیلائے، واجب الاحترام ہستیوں کو اپنی خباثت کا نشانہ بنایا اور مسلمہ واقعات کو غلط تاویلات کے ذریعہ مخ کرنے کو اپنی زندگی کا مشن بنایا۔ محمود عباسی صاحب اسی دوسرے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ غالباً ۱۹۵۸ء، ۱۹۵۵ء کا زمانہ تھا کہ عباسی صاحب کا ایک سلسلہ وار مضمون ”الحسین“ کے نام سے ”کراچی“ کے ایک ماہنامہ میں چھپنا شروع ہوا۔ راقم بھی اپنی کوتاہ علمی کی وجہ سے اس سے متاثر ہو گیا تھا، عباسی صاحب سے اسی دوران تعارف ہوا، اور بعدہ تین چار بار ان سے ملاقاتیں بھی ہوئیں۔ مگر دوران گفتگو عباسی صاحب حضرت علیؑ کی شان میں گستاخانہ کلمات اور مغالطات استعمال کرتے رہے، وہ حضرت عثمان غنیؓ کو خلیفہ ثالث بھی نہیں مانتے تھے، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس شر سے محفوظ رکھا اور میں نے محسوس کیا کہ یا تو عباسی خارجی ہے یا ناموسی۔

مجھے خوشی ہے کہ مطہر نقوی صاحب نے عباسی صاحب کی خباثت پر سے پردہ اٹھانے کے لیے یہ کتاب لکھی ہے اور مجھے امید ہے کہ بہت سے لوگ جو عباسی صاحب کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہیں اس کتاب سے عباسی صاحب کا حقیقی چہرہ دیکھ سکیں گے۔ فقط

موسیٰ حسن

۲۱/۹/۱۹۸۰

یزید کے متعلق مسلک اعتدال

از

فقیہ العصر، یادگار اسلاف

حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

ایک عالم صاحب نے حضرت مفتی عبدالشکور ترمذیؒ سے ”حیات سیدنا یزید“ نامی کتاب جو ابوالحسن محمد عظیم الدین صدیقی نے لکھی ہے کے مندرجات کے متعلق سوال کیا تو حضرت مفتی صاحبؒ نے درج ذیل تحقیقی جواب تحریر فرمایا تھا جو پیش کارنیں ہے۔

(بشکریہ حضرت مفتی عبدالقدوس ترمذی دامت برکاتہم العالیہ)

اہل السنۃ والجماعت کا مسلک رفض اور خارجیت کے درمیان ہے۔ رافضیوں اور خارجیوں کی افراط و تفریط کا مسلک اہل سنت سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ آج کل رفض کی تردید میں بعض لوگوں کو غلو ہو گیا اور انہوں نے اہل سنت کے مسلک اعتدال سے خروج

کر کے یزید کی حمایت کرنی شروع کر دی ہے۔ اس کتاب کا نام بھی اس غلو کا آئینہ دار ہے۔ خلاف واقعہ الزامات اور بہتان سے براءت کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ واقعی عیوب اور نقائص کو بھی نظر انداز کر دیا جائے، ان کو محاسن اور کمالات بنا کر دکھلایا جائے۔ آج کل یزید کی مدح کرنے والے گروہ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہوا ہے۔ پھر اس کے لیے ان کو بخاری و مسلم کی احادیث کا انکار کرنا پڑ جائے تو وہ یزید کی مدح اور منقبت ثابت کرنے کے لیے اس کو بھی کر گزریں گے۔ ایسے لوگوں کے نزدیک یزید کی منقبت و مدح بخاری اور مسلم کی صحیح احادیث کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے باوجودیکہ یزید پر لگائے گئے بہت سے غلط بہتانوں کے ثبوت کا انکار ہے۔ مگر اس کے باوجود بھی ان کا فیصلہ یہ ہے:

مع انه كان فيه من الظلم، ما كان ثم انه اقتتل هو وهم
وفعل بالحرّة أمور المنكورة۔ (منہاج السنّة: ج ۱، ص ۲۷۰)
اور فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے:

هل الحق فيه انه من ملوك المسلمين، له حسنات و له
سيئات، والقول فيه كالقول في امثاله من الملوك لا
لحبه ولا نسبه وهو اول من غزا القسطنطينية، وقال
رسول الله صلى الله عليه وسلم: اول جيش يغزوها
يغفر لهم، وفعل في اهل المدينة ما فعل، وقد توعد
رسول الله صلى الله عليه وسلم من قتل فيها قتيلًا ولعنه
(ص: ۳۱۰)

علامہ ابن تیمیہ نے یزید کی طرف سے پورا دفاع کرنے کے باوجود اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے کہ غزوہ قسطنطنیہ کی حدیث بشارت میں شامل ہونے باوجود بھی اس میں ظلم اور

موجبات لعنت موجود تھے۔ اور حسنت کے ساتھ سیئات بھی اس میں جمع تھے۔ اس لیے وہ جیسے اس پر سب (لعنت) نہیں کرتے اس کو محبت کے قابل بھی نہیں سمجھتے۔ بلکہ وہ اس کو شاہان اسلام میں سے ایک ایسا بادشاہ سمجھتے ہیں جس میں اچھائیاں اور برائیاں دونوں ہی پائی جاتی ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ کے اس فیصلے پر ان لوگوں کو خصوصیت سے توجہ دینے کی ضرورت ہے جنہوں نے یزید کو ایک خلیفہ عادل اور امام راشد کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کرنے کا علم بلند کیا ہوا ہے۔ حالانکہ ان لوگوں کے پاس علامہ ابن تیمیہ جیسا معلومات کا ذخیرہ ہے اور نہ واقعات کی تحقیق کے ذرائع اور وسائل ان کو میسر ہیں۔ اور نہ لوگوں میں واقعات کی مختلف روایات کی چھان بین کر کے ان میں تطبیق اور ترجیح دینے کا طریقہ اور سلیقہ پایا جاتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کے شاگرد علامہ ابن کثیر جو مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ محقق اور مؤرخ بھی ہیں، اپنی بے نظیر تاریخ ”البدایہ والنہایہ“ میں یزید کے بارے میں تمام روایات جمع کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وكان فيه أيضا اقبال على الشهوات، وترك بعض

الصلاة في بعض الاوقات وامانتها في غالب الاوقات۔

(ج: ۸، ص: ۲۳۰)

ان کے علاوہ دوسرے بہت سے اکابر نے بھی یزید کے فاسق ہونے کے بارے میں

تصریح فرمائی ہے۔ حضرت مجدد ثانیؒ فرماتے ہیں:

اما يزيد بے دولت از زمره فسقه است۔ (مکتوب نمبر: ۲۵۱)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

من القرون الفاضلة اتفاقا من هو منافق، أو فاسق، فمنها

الحجاج و يزيد ابن معاوية ومختار۔۔۔۔ الخ

(حجۃ اللہ: ج: ۲، ص: ۲۱۵)

حضرت مولانا عبدالحی فرماتے ہیں:

اما یزید جابر فاسق متغلب۔ (مجموعۃ فتاویٰ: ج ۲، ص ۶۶)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں:

یزید کو کافر کہنے میں احتیاط رکھیں، مگر فاسق بے شک تھا۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ص ۴۹)

مفتی دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:

یزید پر لعنت بھیجنے کے جواز میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ کہ لعنت کرنا

درست نہیں اور یزید کا کافر ہونا ثابت نہیں، البتہ فاسق تھا، پس احوط

عدم لعن ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ج ۸، ص ۲۱۷)

حضرت مولانا عبدالحی کھنوی کے فتاویٰ میں بھی اسی طرح ہے کہ:

مسلك اسلام آنست كه آن شقى را بمغفرت و ترحم

هرگز یاد نباید کرد، ولعن او كه در عرف مختص

بكفار گشته زبان خود را آلوده نباید کرد۔

(ج ۳، ص ۸۰)

ترجمہ: یزید بد بخت کو مغفرت و رحمت کے ساتھ یاد نہیں کرنا

چاہیے۔ اور لعنت جو عرف عام میں کفار کے ساتھ خاص ہو گئی ہے

اس سے بھی زبان کو آلودہ نہیں کرنا چاہیے۔

غرضیکہ اکابر علماء امت کی ایسی ہی تصریحات سے واضح ہو رہا ہے کہ اکابر

علماء اہل سنت کے نزدیک یزید کا فسق ثابت اور محقق ہے اور ان اکابر علماء اہل سنت

میں اکابر علماء دیوبند رحمہ اللہ بھی شامل ہیں۔ اب جو شخص اس کے خلاف لکھتا ہے یا

عقیدہ رکھتا ہے اس کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مسلک اہل السنۃ

والجماعت پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین ۱۴ محرم الحرام/ ۱۴۱۱ھ

بھری مجلس میں ”عباسی جنتری“ کو چیلنج

از جناب مقبول احمد صدیقی، کراچی

بمقام ”سکرٹڈ“ ضلع نواب شاہ بر مکان بشیر صاحب، عباسی صاحب مصنف ”خلافت معاویہ ویزید“ کی نشست میں شرکت کا مجھے بھی شرف حاصل ہے یہ نشست سات آٹھ افراد پر مشتمل تھی، عباسی صاحب نے کھانے کے دوران میں بھی سلسلہ گفتگو جاری رکھا، جو متاثر کن تھا اور ان کے علم و تحقیق کا مظہر، ان کی مربوط و مدلل سے میں خود بہت محظوظ ہو رہا تھا، اس وقت تک میں نے ان کی کتاب ”خلافت معاویہ ویزید“ تو نہ پڑھی تھی البتہ اس پر ایک تبصرہ رسالہ ”لیل و نہار“ میں پڑھ چکا تھا، اس لیے مصنف کتاب کو پچشم خود دیکھنے کا متمنی تھا، خوش قسمتی سے اچانک معلوم ہوا عباسی صاحب بنفس نفیس بشیر صاحب کے یہاں آئے ہوئے ہیں اور اسی وقت ان کی نشست بھی ہے، میں فوراً قیام گاہ کی دعوت کے مطابق پہنچ اور پہلی بار ان کی طویل گفتگو سنی، دوران گفتگو میں وہ اپنی اس ”جنتری“ کو بھی زیر بحث لائے جس کا تذکرہ انھوں نے اپنی کتاب ”خلافت معاویہ ویزید“ میں کیا ہے اور مخاطبین کو ”مدینہ“ سے ”کوفہ“ تک کی منزلوں کی تعداد بتاتے ہوئے منزلوں کا حساب مفصل سمجھایا اور فرمایا کہ حضرت حسینؑ جس تاریخ کو ”مدینہ“ سے برائے ”کوفہ“ مع اہل خاندان روانہ ہوئے ہیں چوں کہ ان کا تمام تر سفر اونٹ پر تھا اس لیے مورخین حسینؑ کے کوفہ پہنچنے کی جو تاریخ ابتداء محرم کی نقل کرتے ہیں وہ بالکل غلط ہے، اونٹ جس رفتار سے چلتا ہے وہ ان کو محرم کی ابتدائی تاریخوں میں ہر گز نہیں پہنچا سکتا بلکہ وہ ۱۰ محرم کو ”کوفہ“ پہنچے اور اسی روز شہید (۱) ہو گئے یہ آٹھ دس روز کے مظالم اور پانی وغیرہ کی بندش کی روایتیں سب من گھڑت ہیں اونٹ اس رفتار کا تحمل نہیں ہو سکتا کہ وہ حسینؑ کو جبکہ بچے اور عورتیں بھی ان کے ہمراہ ہیں اور سفر شاق ریت کے میدانوں کا ہے، مورخین کی بیان کردہ تاریخ تک پہنچا دے، دوران گفتگو میں اونٹ کی منزل بہ منزل رفتار پر روشنی ڈالتے رہے، جو شخص اونٹ کی سواری کا خود تجربہ نہ

(۱) بخترم عظیم الدین صاحب بھی جو کبھی پرکھی مارنے کے عادی ہیں اپنے ”عادیہ کر بلا“ پمفلٹ میں یہی لکھتے ہیں۔ (مرحب)

رکھتا ہوا اس کے لیے ان کی منزل بہ منزل اُونٹ کی رفتار پر بحث نہایت حیرت ناک اور ان کے بے مثال مورخ و لائق ہونے کا لوہا منوانے کے لیے کافی تھی، مگر میرے اوپر اس نے برعکس اثر کیا کہ ان کی تاریخ دانی کا جو رعب ان کی گفتگو کا باقی ماندہ حصہ قائم کر چکا تھا وہ بھی شبہات سے دوچار اور بے وزن ہو گیا اس لیے کہ میں خود کاروباری طور پر جنگلات سندھ سے برسوں سے وابستہ ہونے کے سبب اُونٹ کی سواری کا خود عادی اور ہر میدان میں اس کی رفتار کے نشیب و فراز سے بخوبی باخبر تھا، چنانچہ مجھ سے رہانہ گیا اور میں نے سب لوگوں کی موجودگی میں ان کی گفتگو میں مداخلت کی اور انکے اُونٹ کی رفتار سے متعلق منزل بہ منزل دے ہوئے حساب کی قطعی تردید کی، میں نے ان سے کہا کہ یہ آپ کا دیا ہوا حساب میں اپنے ذاتی مشاہدہ کی بناء پر کہتا ہوں، ”بالکل غلط ہے اور میری تصدیق کے لیے آپ ابھی میری جیب میں بیٹھے اور میرے ساتھ ”ماڑی فارسٹ“ چلیے جہاں نسلًا بعد نسل اُونٹ پر کاروبار کرنے والے اور اُونٹ پر اپنے بیوی بچوں اور نہایت وزنی سامان کے ساتھ ریتیلے میدانوں کو عبور کرنے والے بہت سے لوگوں سے آپ کی ملاقات ہو جائے گی، یہ سن کر وہ خاموش (۲) ہو گئے اور میں نے ان سے دعوے سے کہا کہ حضرت حسینؑ تو بہترین سواری کے اونٹوں پر بیٹھ کر مع اپنے متعلقین ”مدینہ“ سے ”کوفہ“ کو روانہ ہوئے، اگر وہ ”لدی“ یعنی سامان برداری کے گھٹیا اور کم رفتار اونٹوں سے بھی ”مدینہ“ سے مع بچوں کے چلتے تب بھی یقیناً یکم محرم تک کوفہ پہنچ جاتے مورخین کا بیان بالکل صحیح ہے اور آپ کا خلاف حقیقت۔

ح بھری بزم میں راز کی بات کہدی بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں
مقبول احمد صدیقی

(محمود احمد عباسی اپنے عقائد و نظریات کے آئینے میں: ص ۳۴)

(۲) خاموش کیسے نہ ہوتے ہر شخص جانتا ہے کہ سب سے پہلے ہر مجرم کا ضمیر ہی اس کو میدان مقابلہ تحقیق آنے سے روکتا ہے پوری جنتی حسین دشمنی اور اسلام دشمنی کی مرہون منت اور محض خود ساختہ ڈراما ہے، ناظرین کو یاد ہوگا کہ پیکر تحقیق مولانا عبدالرشید نعمانی مدظلہ العالی عباسی صاحب کی حیات ہی میں اس افسانوی جنتی کا خوب خوب پوسٹ مارٹم فرما چکے ہیں جس کا موصوف نے آخر دم تک کوئی جواب نہیں دیا۔ (مرتب)

ہماری مطبوعات

- شاملِ وَاخلاقِ نبوی ﷺ ○ تقدیسِ والدینِ مصطفیٰ ﷺ
- ریاضِ نبوی کے گل تر ○ عقیدہ ختم نبوت
- سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت ○ میں نے خدا کو دیکھا
- خصائصِ علی رضی اللہ عنہ ○ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب
- مقامِ اہل بیت علیہم السلام ○ مناقبِ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
- مسئلہ فسقِ یزید اور اکابر علماء اُمت
- یزید کی شخصیت علامہ ابن جوزیؒ کی نظر میں
- خانوادہ نبوی ﷺ (مناقبِ علی و الحسنین و امہما فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا)
- یزید اکابر علماء اہل سنت دیوبند کی نظر میں
- محمود احمد عباسی کے نظریات پر تحقیقی نظر

زیرِ طبع کتب

- مناقبِ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ
- شہادتِ امام حسین رضی اللہ عنہ و کردارِ یزید
- اسنی المطالب فی مناقبِ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ
- مسندِ آلِ بیت رضی اللہ عنہ
- سر الشہادتین مع تحریر الشہادتین
- فضائلِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہ
- شہیدِ کربلا اور یزید